29

ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

26 جولائی تا یکم اگست 2007ء/10 تا 16 رجب 1428ھ

www.tanzeem.org

## اس شمارے میں

دانشمندی کا تقاضا

نفاذ اسلام کا راستہ: غیر مسلح، پُرامن احتجاجی تحریک

لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ: ایک لمحہ فکریہ

لال مسجد آپریشن کے خلاف تنظیم اسلامی کا احتجاجی مظاہرہ

آپریشن سائلنس: قانون کیا کہتا ہے؟

کیا کمانڈوز بھی روئے ہوں گے؟

لال مسجد کا نوحہ

عوام کیا کریں؟

عالم اسلام

## اسلام:
## انسان کی حقیقی آزادی کا اعلان

اسلام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد وقدوس کی بندگی میں لے آتا ہے۔ انسان اپنے پورے مفہوم کے ساتھ کبھی روئے زمین پر نہیں پایا گیا مگر اُسی وقت جب اس نے اپنی گردن اور اپنی پوری زندگی سے انسانوں کی غلامی کا جوا اتار پھینکا اور اس کا ضمیر اور اعتقاد انسانی تسلط و استیلاء سے آزاد ہو گئے۔

اسلام ہی وہ دین ہے جو تشریع اور حاکمیت کے تمام اختیارات کو صرف خدا کے لئے مانتا ہے اور اللہ کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی غلامی میں لے آتا ہے۔ انسانوں نے روئے زمین پر قانون سازی اور حاکمیت کے لئے جتنی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں جن میں زمام اختیار انسانوں کے سپرد کر دی، درحقیقت انسانوں کی غلامی کی ذلت اپنے اوپر ڈال دی۔ جبکہ اسلام اور صرف اسلام انسانوں کو ذلت کی ان اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر خدا کی غلامی کے باوقار اور پرعظمت تخت پر بٹھا دیتا ہے۔

یہ انسان کی حقیقی آزادی کا اعلان ہے اور یہی انسان کے ظہور کا اعلان ہے۔ اس سے پیشتر انسانی وجود اپنی انسانیت کے کمال کے ساتھ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ ربعی بن عامر جو لشکر اسلام کے قائد تھے، جب سپہ سالار فارس رستم کے پاس قاصد بن کر گئے تو اس نے پوچھا: ''تمہیں یہاں تک کیا شے لے آئی ہے؟'' آپؓ نے فرمایا: ''ہمیں اللہ نے بھیجا، اور اس مقصد کے لئے بھیجا کہ ہم بنی نوع انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں لے آئیں، اور انہیں دنیا کی تنگیوں سے دنیا و عقبیٰ کی وسعتوں کی طرف اور ادیانِ باطلہ کے ظلم و جور سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف نکال لے جائیں۔''

سید قطب شہیدؒ

# سورۃ الانعام

(آیات: 11 تا 15)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ ﴾

''کہو کہ (اے منکرین رسالت) ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (اُن سے) پُوچھو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، کس کا ہے کہہ دو اللہ کا۔ اُس نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں، ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنی تئیں نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جو مخلوق رات اور دن میں بستی ہے سب اُسی کی ہے۔ اور وہ سنتا جانتا ہے۔ کہو! کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں کہ (وہی تو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا۔ (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں۔ اور یہ کہ تم (اے پیغمبر ﷺ) مشرکوں میں نہ ہونا۔ یہ بھی کہہ دو کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔''

اے نبی ان سے کہیے کہ زمین میں گھوموں پھرو اور دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تمہارے ہی اس جزیرہ نما عرب میں قوم عاد اور قوم ثمود کے کھنڈرات موجود ہیں۔ جب تم شام کی طرف قافلے لے کر جاتے ہو تو وہاں قوم مدین کے مسکن بھی آتے ہیں اور قوم لوط کے شہر بھی آتے ہیں جنہیں تم خود دیکھتے ہو۔ ان سے پوچھئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کس کا ہے؟ پھر کہہ دیجئے، اللہ کا ہے۔ اُس نے اپنی ذات پر رحمت لازم کر لی ہے۔ اللہ پر کوئی شے لازم نہیں تا آنکہ وہ خود ہی اپنے اوپر لازم ٹھہرا لے تو اُس نے اپنے اوپر رحمت لازم ٹھہرالی ہے۔ وہ لازماً تمہیں جمع کرے گا قیامت کے دن، جس میں کوئی شک نہیں۔

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کا ہے وہ یہ کہ رحمت کا اظہار کیسے ہوگا۔ قیامت کے دن تو سختیاں ہوں گی، سزا ہوگی، مار پڑے گی مگر اہل ایمان کے لئے وہاں رحمت کا ظہور ہوگا۔ یہاں رخ اہل ایمان کی طرف ہے۔ انبیاء و رُسل، صدیقین و شہداء، صالحین اور متقین جو یہاں سختیاں جھیل رہے ہیں، مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں، اُن کے لئے اللہ کی رحمت کا وقت آ کر رہے گا۔ انہیں اپنی ساری خدمات کا بھرپور صلہ ملے گا، ساری سرفروشیاں نتیجہ خیز ہوں گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدر افزائی کا اعلان ہوگا۔ تمہیں کبھی یہ خیال نہ ہو کہ ہم تو یہاں اپنا سب کچھ لٹا چکے۔ پتہ نہیں وہ دن آئے کہ نہ آئے، کوئی ملاقات ہو کہ نہ ہو۔ ایسے وساوس کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔ وہاں تمہارے حق میں اللہ کی رحمت ضرور ظاہر ہوگی۔

اُسی کا ہے جو کہ ساکن ہو جاتا ہے رات میں اور جو متحرک ہو جاتا ہے دن میں۔ ''سَکَنَ'' کا لفظ رات کے لئے آیا ہے اور دن کے لئے تحرک کا لفظ محذوف ہے۔ مقابلے کے لفظ کو قرآن مجید میں حذف کر دیا جاتا ہے، تاکہ آدمی خود اپنی عقل سے کام لے۔ وہ (اللہ) سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہئے، کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا ولی، کارساز، مولا اور حمایتی بنالوں، جب کہ اللہ تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ تم بھی مانتے ہو کہ وہی ہر شے کا خالق ہے۔ تو اُس کے چھوڑ کر کسی اور کو ولی بنانا اور خود کسی کے ولی بن جانا بڑی حماقت کی بات اور گھاٹے کا سودا ہے۔ وہ اللہ تو کھانا کھلاتا ہے۔ اُسے کھانا کھلایا نہیں جاتا۔ اور تم بتوں کے سامنے کھانے رکھتے ہو، چڑھاوے چڑھاتے ہو، حلوے مانڈے پیش کرتے ہو۔ اللہ کو تو اس کی حاجت نہیں۔ وہ تو رازق ہے۔

اے نبی! ڈنکے کی چوٹ پر کہہ دیجئے، مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلا فرمان بردار میں خود بنوں، اور دیکھو، تم ہرگز مشرکوں میں نہ ہو جانا۔ کہہ دیجئے کہ مجھے خود اندیشہ ہے بڑے دن کے عذاب کا اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔ میں بھی مستثنیٰ نہیں، میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے بھی اللہ کی بندگی کرنی ہے۔ جیسے میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرو گے تو پکڑے جاؤ گے، ایسے ہی اگر میں نافرمانی کروں گا تو مجھے بھی اندیشہ ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

## لباس میں تواضع پر انعام و اکرام

عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: (( مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ يَلْبَسُهَا)) (رواہ الترمذی)

معاذ بن انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود از راہِ تواضع و انکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے، اس کو زیب تن کرے۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# دانشمندی کا تقاضا

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ عدالت عظمیٰ کی طرف سے وہ فیصلہ صادر ہوگیا جس سے عوام کے دل کی کلی کھل گئی۔ وکلاء کی بے مثل تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ تجزیہ نگاروں اور قلمکاروں کی اکثریت کی توقعات پوری ہوئیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جسے مطمئن کرنا جوئے شیر لانے اور ہمالہ سر کرنے کے مترادف ہے۔ بھنگڑے ڈالے جارہے اور مٹھائیاں تقسیم ہورہی ہیں اور یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ قیام پاکستان کے ساٹھ برس بعد اہل پاکستان کو دوسری خوشی نصیب ہوئی۔ عدلیہ آزاد ہوگئی ہے اور اسٹیبلشمنٹ پہلی مرتبہ چاروں شانے چت ہوئی ہے۔ فیصلہ واضح اور دوٹوک ہے جس نے باوردی آمر کو ناک رگڑنے پر مجبور کردیا ہے۔ حکومتی حلقوں میں قبرستان کی سی خاموشی طاری ہے۔ کہیں کہیں سے یہ آواز آرہی ہے کہ ہم فیصلے کو من وعن تسلیم کریں گے، لیکن کہنے کا انداز ایسا ہے جیسے کوئی انتہائی کڑوی اور بدذائقہ شے غلطی سے زبان پر رکھ لی جائے۔

ہم بھی سمجھتے ہیں کہ یہ فیصلہ تاریخ کا رخ موڑ سکتا ہے۔ یہ فیصلہ 16 کروڑ عوام کی خواہشات کا عکس اور اُن کے دل کی آواز ہے۔ کوئی ایسا فیصلہ، کوئی ایسا عمل جس کی اتنے وسیع پیمانہ پر پذیرائی ہورہی ہو۔ عوام جذباتی کیفیت میں ہوں اور مزہ کرکرا کرنے والی کوئی بات یا کوئی تبصرہ سننے کے موڈ میں نہ ہوں تو اُن سے اتفاق بلکہ مکمل اتفاق نہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ہم پر بھی اس فیصلے نے شادمانی کی کیفیت طاری کردی ہے۔ البتہ ہم اِس عام رائے سے اتفاق نہیں کرتے کہ اِس ایک فیصلے سے عدلیہ آزاد ہوگئی ہے۔ ہاں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عدلیہ نے آزادی کی طرف سفر کا آغاز کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جدوجہد اور قربانی دے کر آزادی حاصل کرنے اور حادثاتی طور پر آزادی میسر آجانے میں بڑا فرق ہے۔ پھر یہ کہ آزادی کو قائم ودائم رکھنا آزادی حاصل کرنے سے کہیں مشکل ہوتا ہے۔ ہم اپنی اِس بات کو ایک سوال سے واضح کرتے ہیں۔ بفرضِ محال مشرف کی حالات پر گرفت بڑی مضبوط ہوتی، عوام چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس دائر کرنے پر کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کرتے، وکلاء اِس کو پی جاتے تو کیا تب بھی عدلیہ یہی فیصلہ کرتی، اور آزادی قائم رکھنے کے حوالہ سے اِس سوال کو یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ فرض کریں کل کلاں کوئی منتخب حکومت عوام میں غیر مقبول ہوجاتی ہے، اُس کی گرفت ڈھیلی پڑجاتی ہے اور کوئی طالع آزما موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے شب خون مارتا ہے، جس پر سادہ لوح اور بھولی عوام اظہار اطمینان کرتی ہے اور وردی میں ملبوس کوئی آمر پورے کروفر سے حکومت کرنے لگتا ہے۔ ایسے میں ہماری عدلیہ نظریہ ضرورت کو مکمل طور مسترد کرتے ہوئے عوامی اور حکومتی دباؤ کو نظر انداز کرتے ہوئے اِس De-fecto حکومت کو ناجائز اور خلاف آئین قرار دے گی۔ یعنی عدلیہ کی نگاہ صرف اور صرف آئین پر ہونی چاہیے، اور فیصلہ سناتے وقت وہ کسی کی حیثیت اور قوت کو مکمل طور پر نظرانداز کردے۔

ہماری رائے میں دنیا کے کسی مذہبی یا غیر مذہبی لٹریچر میں عدل کے لیے اتنی تاکید نہیں کی گئی جتنی قرآن اور حدیث میں ملتی ہے۔ اسلام کا تو ''Catch world'' ہی عدل ہے۔ پھر اسلامی تاریخ میں قاضی حضرات نے جس بے خوفی اور جرأت سے عدل وانصاف معاشرے میں رائج کیا، دنیا کی تاریخ اُس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہم تجویز کرتے ہیں کہ لاء کالجز میں قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کی تعلیم لازم ہونا چاہیے، تاکہ جج اور وکلاء عدل کا صحیح مفہوم سمجھ سکیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ 20 جولائی کے عدالتی فیصلے نے ملک وقوم کو بحران سے نکلنے کا راستہ فراہم کردیا ہے۔ صدر مشرف پر اب یہ لازم ہے کہ وہ قوم سے خطاب کریں، جس میں واضح طور پر اعلان کریں کہ وہ وردی یا بغیر وردی صدارتی انتخاب میں حصہ نہیں لیں گے۔ اپوزیشن سے مشورہ کے ساتھ ایک قومی حکومت تشکیل دی جائے جو آئین کے مطابق 90 دن کے اندر غیر جانبدارانہ اور شفاف انتخابات کا انعقاد کرے۔ ملک بدر عوامی قیادت کو غیر مشروط طور پر وطن واپسی کی اجازت دی جائے۔ انتخابات میں کامیاب ہونے والی جماعت کو بلا تردد اور (باقی صفحہ 16 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

# ندائے خلافت

جلد 16 — 26 جولائی تا یکم اگست 2007ء — 10 تا 16 رجب المرجب 1428ھ — شمارہ 29

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

# مسجدِ قرطبہ

**(ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)**

**(تیسرا بند)**

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود — عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت — معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود!
قطرۂ خونِ جگر، سِل کو بناتا ہے دل — خونِ جگر سے صدا سوز و سرور و سرود!
تیری فضا دل فروز، میری نوا سینہ سوز — تجھ سے دلوں کا حضور، مجھ سے دلوں کی کشود
عرشِ معلّٰی سے کم سینۂ آدم نہیں — گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود
پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا — اس کو میسر نہیں سوز و گدازِ سجود
کافرِ ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق — دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق مری لَے میں ہے، شوق مری نَے میں ہے — نغمۂ اللہ ہُو میرے رگ و پے میں ہے

(جاری ہے)

سابقہ دو بند علامہ اقبال نے اِس طویل نظم میں تمہید اور پس منظر کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ اِس تیسرے بند میں وہ اپنے موضوع کی جانب آتے ہوئے مسجدِ قرطبہ کو مخاطب کرتے ہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ یہاں بھی انہوں نے سابقہ دونوں بند کے مندرجات اور نقطۂ نظر سے بڑی کامیابی سے تسلسل قائم رکھا ہے۔

1۔ اے مسجدِ قرطبہ! یہ عشقِ حقیقی کا جذبہ ہی تھا جس کے سبب تیری تعمیر ممکن ہوئی۔ عشق کا جذبہ تو ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے۔ فنا اِس کی تقدیر میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں کے نامساعد حالات اور آفات کے باوجود تیرا وجود ابھی تک برقرار ہے۔

2۔ اے مسجدِ قرطبہ! تیرے وجود میں مصوری، خطاطی، فنِ تعمیر اور اِسی نوعیت کے فنون اور ہُنر، جس مہارت اور چابک دستی سے ہم آہنگ ہوئے ہیں، وہ اِس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ جب تک تخلیق کے لیے خونِ جگر صَرف نہ کیا جائے، کوئی فن معجزے کی شکل اختیار نہیں کرتا۔

3۔ اور وہ معجزہ خونِ جگر ہی سے نمودار ہوتا ہے، کہ حقیقی فن کار پتھر کو بھی تراشے تو اِس میں جان ڈال دیتا ہے اور یہی کیفیت اُس کے قول و الفاظ میں ہوتی ہے۔ اِس کا اندازہ اے مسجدِ قرطبہ! تیری تعمیر کو دیکھ کر ہوتا ہے۔

4۔ اے مسجدِ قرطبہ! تیرا ماحول پُرکشش اور دل میں حق تعالیٰ کی عبادت و عبودیت کی تڑپ پیدا کرنے والا ہے جبکہ میرے اشعار سے سینوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ تیری زیارت دیکھنے والوں کو قربتِ خداوندی کا احساس دلاتی ہے، جبکہ میرا کلام بیداری اور لطافت کا آئینہ دار ہے۔

5۔ ایسے فن کارانہ معجزے دیکھنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان کا سینہ عرشِ معلّٰی سے کم نہیں ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنے خاکی جسم کی بدولت آسمان تو کیا، خلاء کو بھی چھونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پھر بھی اسے فرشتوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔

6۔ بے شک فرشتوں کی تخلیق حق تعالیٰ نے نُور سے کی ہے اور انہیں یہ بھی شرف حاصل ہے کہ وہ ہر لمحے معبودِ حقیقی کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔ تاہم انسان کا مرتبہ فرشتوں اور قُدسیوں سے اس لیے بلند ہے کہ اُس کا دل سوز و گداز اور عشقِ حقیقی کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔

7۔ ہر چند کہ مجھے ہند کا رہنے والا کافر تصور کیا جاتا ہے، لیکن اے مسجدِ قرطبہ، تُو نے میرے ذوق و شوق کا نظارہ یقیناً کر لیا ہوگا کہ دل سے بھی صلوٰۃ و درود کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور میرے لبوں پر بھی صلوٰۃ و درود کا نغمہ ہے۔

8۔ یہ شوق جو عشقِ حقیقی سے عبارت ہے، اِس امر کا گواہ ہے کہ میرا لب و لہجہ بھی اسی جذبہ سے لب ریز ہے اور میرے نغموں میں بھی اِسی کا لحن شامل ہے۔ غرضیکہ میرے جسم کا ریشہ ریشہ "اللہ ہُو" کے نعروں سے معمور و سرشار ہے۔

## نفاذِ اسلام کا راستہ:

# غیر مسلح، پُرامن احتجاجی تحریک

**مسجد دارالسلام باغِ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 20 جولائی 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص**

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! لال مسجد کے خلاف حکومت نے جو ظالمانہ آپریشن کیا، اُس کے نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ملک بدامنی اور انتشار کی لپیٹ میں ہے۔ ملک وملت کے خیر خواہ اور اصحاب بصیرت روز اول سے حکومت کو سمجھا رہے تھے کہ اسلامی نظام کا جائز مطالبہ کرنے والے لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال ہرگز ہمارے مفاد میں نہیں۔ اِس سے عوام اور فوج کے درمیان نفرت کی خلیج اور زیادہ وسیع ہو جائے گی، اور ملک خانہ جنگی کی راہ میں چل پڑے گا۔ مگر جنرل مشرف نے کسی کی بات کو بھی درخور اعتنا نہ سمجھا۔ چنانچہ قوم کی اجتماعی دانش فرد واحد کی بدنیتی پر قربان کر دی گئی۔ لہٰذا ملک آج جس خوفناک صورتحال سے دوچار ہے، اُس کی تمام تر ذمہ داری صدر پرویز مشرف پر عائد ہوتی ہے۔

گزشتہ جمعہ یہ واضح کیا گیا تھا کہ لال مسجد سے وابستہ علماء نے نفاذ شریعت کا جو مطالبہ کیا، وہ نہ صرف برحق اور جائز مطالبہ تھا، بلکہ یہ پوری قوم کی آواز تھی۔ اِس صدا پر کان دھرنے کی بجائے اُسے سختی سے دبا دیا گیا، مگر سوال یہ ہے کہ حق کی صدا کو کب تک دبایا جاتا رہے گا، کب تک غیر اسلامی استحصالی نظام کا تحفظ اور اسلام کے عادلانہ نظام کا راستہ روکا جاتا رہے گا۔ اسلام اور اور اسلامی نظام پاکستان کی اساس ہی نہیں، اِس کا مقدر ہے، یہ ہونی ہے، شدنی ہے اور یہ آ کر رہے گا (ان شاء اللہ)۔

دبا سکو تو صدا دبا دو
بجھا سکو تو دیا بجھا دو
صدا دبے گی تو حشر ہو گا
دیا بجھے گا تو صبح ہو گی

لال مسجد انتظامیہ کے طریق کار سے علماء کرام نے اتفاق نہیں کیا۔ البتہ علماء کا کا یہ فرض بنتا تھا کہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے صحیح لائحہ عمل کی نشاندہی کرتے اور اب بھی علماء پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ درست طریق کار کے لئے قوم کی رہنمائی کریں، نہ صرف رہنمائی کریں، بلکہ اِس پر چلتے ہوئے غلبہ دین کی جدوجہد کریں۔ طریقۂ کار سے ہم نے بھی اختلاف کیا، کہ اگرچہ نہی عن المنکر بالید کے فریضے کے تحت باطل نظام کے خلاف اقدام مسلمان کی غیرت وحمیت کا تقاضا ہے۔ حضرت حسینؓ اگر ایک منکر دیکھ کر اُس کے خلاف اُٹھے تھے، تو آج منکرات کی بھرمار ہے، اور حکمران اِن کی سرپرستی کر رہے ہیں، اسلامی قانون اور خلافت کا نام لینا بھی دنیا کو گوارا نہیں۔ امریکہ خلافت کی آواز کو کچل دینا چاہتا ہے اور اِس شیطانی ایجنڈے کی تکمیل میں جنرل پرویز مشرف پوری طرح امریکہ کے ساتھ ہیں۔ جب صورت یہ ہو تو ایسے میں غلط نظام کے خلاف مسلح بغاوت یقیناً جائز ہے۔ مگر نظام کو اُسی وقت چیلنج کیا جا سکتا ہے، جب

> **اگر ہم انتخابی سیاست کے میدان میں اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے، تو اِس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ کے تجربے سے قطع نظر ایم ایم اے کی حالیہ کارکردگی پر ہی نگاہ ڈالی جائے تو صورتحال واضح ہو جاتی ہے**

مطلوبہ قوت فراہم ہو جائے، اور یقین واثق ہو جائے کہ اقدام کے نتیجے میں کامیابی حاصل ہو جائے گی، اور غیر اسلامی نظام تبدیل ہو جائے گا۔ اِسی کا نام خروج ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے اِس کی اجازت دی ہے۔

ہماری تاریخ میں اقدام کی کئی مثالیں ملتی ہیں، جیسے نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت نفس زکیہ کی جدوجہد وغیرہ۔ اِن حضرات نے عزیمت واستقامت اور قربانی وایثار کی لازوال تاریخ رقم کی، اور آنے والوں کے لئے ایک رول ماڈل بن گئے۔ اگرچہ دنیاوی اعتبار سے انہیں ظاہری طور پر کامیابی حاصل نہ ہوئی، مگر اُن کی جدوجہد سے ہر دور میں اسلام کے احیاء کے لئے اُٹھنے والوں کو حرارت ملتی رہی ہے۔ اِسی لئے تو اقبال نے کہا تھا

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

لال مسجد والوں نے بھی اِسی انداز سے ایک غلط نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور اُس کے خاتمے اور صالح اسلامی نظام کا مطالبہ کیا، مگر اُن کے پاس قوت نہ تھی۔ لہٰذا گنتی کی دس پندرہ بندوقوں سے ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ کیسے ہو سکتا تھا۔ آپریشن کے بعد جو اسلحہ صحافیوں کو دکھایا گیا، اُس میں ایٹم بم اور ٹینک کے علاوہ ہر چیز موجود تھی۔ مگر حیرت ہے کہ اِس قدر سخت آپریشن کے باجود اسلحہ گرد آلود بھی نہ ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تو حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے کیا گیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اتنا ہی اسلحہ مدرسہ کے اندر موجود تھا، تو آخر اُسے استعمال کیوں نہ کیا گیا، کیا وہ نمائش کے لئے جمع کیا گیا تھا۔ کیا وہ آرمی کو تحفتاً پیش کرنے کے لئے رکھا گیا تھا، تاکہ مسجد ومدرسہ سے بلند ہونے والی صدا کو خاموش کر دینے والے آپریشن کے بعد اُسے بطور ثبوت عوام کو دکھایا جا سکے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ دور میں وہ عسکری قوت حاصل کی جا سکتی ہے، جس کے ذریعے ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج کے ساتھ دو بدو لڑائی اور مسلح تصادم ہو۔ اِس سوال کا جواب بہت واضح ہے۔ ایسی قوت کا حصول بہت مشکل ہے۔ لہٰذا جو لوگ آج اسلام کو غالب کرنے کے لئے مسلح تصادم کی بات کرتے ہیں، وہ ایک ایسے طریقے کو اپنا رہے ہیں، جو فی زمانہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ مثبت طریقہ نہیں، جابرانہ پالیسیوں اور سیکولر جبریت کا ردعمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غلبۂ دین کے لئے نہ تو بلٹ کا راستہ مفید ہے اور نہ ہی بیلٹ کا۔ اِس کے لئے مفید طریقہ وہ ہے جس پر نبی اکرم ﷺ نے دین قائم کیا۔ نبی ﷺ کا انقلابی منہاج اور حکیمانہ طریقہ اپنا کر ہی اسلامی نظام کے قیام کی منزل سر کی جا سکتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تاریخ انسانی کا جو عظیم ترین انقلاب برپا کیا، اِس کے لئے ایک منظم جدوجہد کی گئی۔ آپؐ نے صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت تیار کی۔ اُن کا تزکیہ اور تربیت کی۔ انہیں قرآنی تعلیمات سے آراستہ کیا۔ انہیں حق و صداقت پر قائم رہنے اور اِس راہ میں پیش آنے والی مشکلات

کو خندہ پیشانی سے سہنے کا خوگر بنایا۔ اللہ کے کلمہ کے لئے اپنی جان و مال نچھاور کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں یہی دعوت و تربیت کا کام ہوتا رہا۔ اس دور میں صحابہ کرامؓ کے لیے ہر قسم کے سخت سے سخت حالات میں بھی حکم یہ تھا کہ وہ انہیں برداشت کریں۔ ہر قسم کی مخالفت کے باوجود اپنے ہاتھ روکے رکھیں۔ خواہ اُن پر تشدد کیا جائے، مشرکین اُن کے قتل کے درپے ہو جائیں، انہیں دہکتی آگ کے انگاروں پر لٹا دیا جائے، لیکن ہاتھ نہیں اُٹھانا، کیونکہ ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا کہ باطل نظام کے ساتھ باقاعدہ پنجہ آزمائی کی جائے۔ آپ کی اس تربیت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ ایمان و یقین کا چراغ اور استقامت کا کوہ گراں بن گئے۔ اور اس طرح پاکیزہ نفوس کی ایک ایسی جماعت تیار ہوئی کہ اُن میں سے کا ایک فرد ہزار کفار پر بھاری تھا۔

جب اس قسم کی انقلابی جماعت تیار ہو گئی تو ہجرت مدینہ کے بعد اُسے مسلح تصادم کے مرحلہ میں داخل کیا گیا۔ اب مسلمانوں کو قتال کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ کفار سے سخت معرکے پیش آئے۔ آخر کار مکہ فتح ہوا اور جزیرۂ نمائے عرب کی حد تک اسلام ایک غالب قوت بن گیا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر مرکز توحید کو شرک کی آلائشوں سے پاک کیا، بتوں کو توڑا اور اللہ کی کبریائی کا اعلان ہوا۔

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (بنی اسرائیل)

''اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔''

اسلامی انقلاب کے لئے ہمیں بھی اسی ترتیب کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ایک جماعت تشکیل دی جائے۔ اُس کے ممبران کو قرآنی تعلیم دی جائے، اُن کا تزکیہ اور تربیت کی جائے۔ یہ لوگ پہلے اپنی ذات پر احکام الٰہی کو نافذ کریں اور ساتھ ساتھ دعوت کا کام کریں، تاکہ جو لوگ اُسے قبول کریں وہ جماعت کا حصہ بنیں اور جماعت کی قوت میں اضافہ ہو۔ پھر یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کریں۔

نہی عن المنکر کے ضمن میں یہ ترتیب پیش نظر رہے کہ جب تک طاقت حاصل نہیں ہوتی، انقلابی جماعت کے ممبران برائی اور منکرات کو زبان سے روکنے کی سعی کریں۔ زبان سے منکرات کے خلاف جہاد کرتے رہیں اور قرآن کے ذریعے ایمان کی جوت جگائیں، جس طرح کے نبی ﷺ نے کیا تھا۔ اس لئے کہ ابھی ''کفوا ایدیکم'' کا مرحلہ ہے۔ مگر جب جماعت اتنی مضبوط ہو جائے کہ باطل نظام سے ٹکرا سکے، تو پھر قوت سے باطل نظام کا راستہ روکنا اور برائی کا انسداد کرنا ہو گا۔ اس کی ایک صورت تو مسلح تصادم ہے، یعنی باطل نظام سے کھلے عام جنگ ہو، تاکہ حق و انصاف پر مبنی نظام قائم ہو جائے۔ لیکن دوسری صورت جو بحالات موجودہ مسلح تصادم کا متبادل ہے، منظم اور پُرامن احتجاجی تحریک ہے۔ یہ صورت تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے۔ آج کے دور میں ''ریاست'' اور ''حکومت'' دو علیحدہ علیحدہ چیزیں تسلیم کی جاتی ہیں جبکہ آج سے دو سو سال قبل یہ صورت حال موجود نہیں تھی۔ صرف ''حکومت'' ہی کا وجود تھا، ''ریاست'' کا کوئی تصور نہ تھا۔ چنانچہ اِدھر کوئی شخص حکومت کے خلاف کھڑا ہوا، اُدھر اسے فوراً باغی گردان کر گردن زدنی قرار دے دیا گیا۔ لیکن یہ صورت حال اس دور میں بدل چکی ہے۔ انسانی فکر اور انسانی تمدن کا جو ارتقاء ہوا ہے اس کے تحت اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ ''ریاست'' ایک بالکل علیحدہ شے ہے اور حکومت صرف ریاست کے معاملات کو چلانے والا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ حکومت بدلتی رہتی ہے، لیکن ریاست تسلسل کی حامل ہوتی ہے۔ کسی ملک کے رہنے والے دستوری اور آئینی طور پر حکومت کی اطاعت تو کرتے ہیں، لیکن دراصل جس شے کو وفاداری کہا جاتا ہے وہ ''ریاست'' کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، حکومت سے نہیں۔ تمدن کے ارتقاء اور فکرِ انسانی کی وسعت کے نتیجہ میں آج پوری دنیا میں یہ بات مسلم سمجھی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا حق اس ملک کے رہنے والوں کو حاصل ہے۔ عوام حکومت کو تبدیل کرنے کے لئے تحریک چلا سکتے ہیں، اسے ریاست کے خلاف نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ ماضی میں حکومت بدلنے کی کوشش کو بغاوت خیال کیا جاتا تھا۔ تمدن میں تبدیلی سے صورتحال بدل چکی ہے۔ کسی بھی ملک کے باشندے آئینی طور پر یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ حکومت کے خلاف اپنے مطالبات کے حق میں احتجاجی تحریک چلائیں۔

موجودہ دور میں انقلابی جماعت اسلامی انقلاب کے لئے یہی طریقہ اختیار کرے گی۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ انقلابی جماعت جو دعوت، تنظیم، تربیت اور صبر محض سے گزر چکی ہو، تو وہ رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے (یعنی حکومت) کے مقابلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو

پریس ریلیز

## ''ہمارے دینی رہنما غیر مسلح اور پُرامن عوامی احتجاجی تحریک کے ذریعے نفاذ شریعت کا مطالبہ کریں''

**حافظ عاکف سعید**

نائن الیون کے بعد حکمرانوں کی غلط پالیسیوں اور لال مسجد کے معاملہ پر ہٹ دھرمی کی روش نے آج پاکستان کو خانہ جنگی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ فوج اور عوام کے درمیان موجودہ خلیج بھی حکمرانوں کے اسی طرزِ عمل کا نتیجہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکمرانوں نے سو جوتوں سے بچنے کے لیے سو پیاز کھانا قبول کیے تھے لیکن اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہانے کے لیے امریکہ کا ساتھ دینے پر قدرت کا انصاف دیکھئے کہ اب سزا کے طور پر جوتے بھی کھانا پڑ رہے ہیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ ہمیں پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کے لیے دعا کے ساتھ ساتھ اس کے استحکام کے لیے اس مقصد کی جانب پیش قدمی کرنا ہو گی، جس کے لیے یہ ملک قائم ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جب حکمران خود منکرات کو فروغ دے رہے ہوں اور دین کا حلیہ بگاڑنے کے درپے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے فتوے کے مطابق اگر اتنی تعداد میسر ہو کہ کامیابی کا یقین ہو تو ان کے خلاف مسلح بغاوت کی جا سکتی ہے۔ تاہم آج کے دور میں منکرات کے خاتمہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ شریعت کا نفاذ چاہتے ہوں وہ پہلے اپنی ذات اور اپنے گھر پر شریعت نافذ کریں پھر وہ ایک جماعت کی صورت میں منظم ہو کر حزب اللہ کی صورت اختیار کریں۔ جب لوگوں کی مناسب تعداد مہیا ہو جائے تو پُرامن لیکن غیر مسلح احتجاجی تحریک کے ذریعے شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کریں۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے دین کے لیے اپنی جانیں دینے کو تیار ہوں لیکن کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اسی طرح یہ لوگ پرامن رہتے ہوئے باطل نظام کو بلاک کر کے رکھ دیں کہ اب ہم یہاں کوئی غیر شرعی کام نہیں ہونے دیں گے۔ ایسی صورت میں ان افراد کی کامیابی کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ دورِ حاضر میں عوامی مطالباتی تحریکوں کی کامیابی کے بے شمار واقعات دنیا کے سامنے آ چکے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اب دینی جماعتوں کے بہت سے رہنما دھرنے کا لفظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ لیکن یہ دھرنا جمہوریت کی بحالی کی بجائے شریعت کی نفاذ کے لیے ہو تو پاکستان کو آج بھی ان خطرات سے نکالا جا سکتا ہے جو ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

جائے اور صرف زبانی وکلامی بات کرنے کے بجائے علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکرات ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے' یہ کام اب ہماری لاشوں پر ہوگا۔ پھر اس پر ڈٹ جائے اور کسی بھی قسم کی مالی وجانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے۔

موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات یعنی خلاف شریعت کاموں کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ تمدنی ارتقاء نے ان مظاہروں کی بہت سی صورتوں سے دنیا کو روشناس کرایا ہے' جن میں پکٹنگ (Picketing) یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا' احتجاجی طور پر حکومت کو کسی کام سے روکنے کے لئے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔

حکومت کے خلاف اقدام یعنی مظاہروں اور دیگر احتجاجی طور طریقوں کو اختیار کرنے کی صورت میں چند شرائط کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ کارکنوں کو ہر قسم کے جور وستم کے جواب میں مکمل پر امن رہنا ہوگا' جوابی کارروائی اور توڑ پھوڑ سے مکمل اجتناب کرنا ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ برسوں میں ہر قسم کے جور وستم اور ظلم وتشدد کو صحابہ کرامؓ نے جس پامردی سے برداشت کیا ہے' اپنی طرف سے جوابی کارروائی تو درکنار مدافعت تک نہیں کی' وہی طرز عمل اس اقدام یعنی مظاہروں اور گھیراؤ وغیرہ کے معاملہ میں اس انقلابی جماعت کو اختیار کرنا ہو گا۔ یہ عذر قابل قبول نہیں ہوگا کہ احتجاجی جلوس تو ہم نے نکالا تھا لیکن توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا۔ اگر انقلابی جماعت کے اثرات اتنے نہیں ہیں کہ وہ عوام کو پُر امن رکھ سکے اور نہ اس کے پاس ایسے کارکن ہیں جو عوام کو کنٹرول کر سکیں اور ہر نوع کی بدامنی کو قابو میں رکھ سکیں تو ایسی صورت میں اس تنظیم کو ایسے مظاہروں کا حق نہیں ہے۔ انقلابی جماعت اقدام کے مرحلہ میں اسی وقت داخل ہو کہ جب اُسے اپنی امکانی حد تک یہ اندازہ ہو جائے اور یہ معلومات حاصل ہوں کہ ہمارے اپنے زیر اثر اور ہمارے تربیت یافتہ لوگ اتنے ہیں کہ وہ پُر امن طریق پر سڑکوں پر آ کر مظاہرے کر سکتے ہیں اور ان کی اخلاقی ساکھ اتنی مضبوط ہے کہ ان کے مظاہروں کے دوران بدامنی کا کوئی حادثہ نہیں ہوگا۔ اور اگر چند شر پسند لوگ بدامنی پر اتر ہی آئیں تو ان کی تنظیمی طاقت اتنی مضبوط ہو کہ وہ ان اشرار کی گردنیں خود دبوچیں اور ان پر قابو پا کر انہیں حکومت کے حوالے کریں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ یہ تخریب کار عناصر ہیں' جو اس پُر امن اور عدم تشدد کی اسلامی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے آ گئے ہیں۔ اس انقلابی تنظیم کے تربیت یافتہ جلوس نہ بسوں کو جلائیں گے' نہ سائن بورڈز اور ٹریفک سگنلز توڑیں گے' نہ ہی وہ نجی یا سرکاری املاک کو نقصان پہنچائیں گے۔ ان جلوسوں اور مظاہروں کا مطالبہ یہ ہوگا کہ فلاں فلاں کام شریعت کی رو سے منکر ہیں' حرام ہیں' ہم ان کو کسی حال میں نہیں ہونے دیں گے۔ حکومت گرفتار کرے تو مظاہرین کوئی مزاحمت نہیں کریں گے' لاٹھی چارج کرے تو اسے جھیلیں گے' آنسو گیس کے شیل برسائے تو برداشت کریں گے' حتیٰ کہ گولیاں برسائے تو خوشی خوشی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے' لیکن نہ تو پیچھے ہٹیں گے اور نہ ہی اپنے موقف کو چھوڑیں گے۔

ماضی قریب میں اس قسم کی تحریک کی مثال ایرانیوں نے پیش کی۔ جس کے نتیجے میں شہنشاہ ایران کی ساری طاقت اور سارا دبدبہ ان سرفروشوں کی قربانیوں کے آگے خس وخاشاک کی طرح بکھر کر رہ گیا' جو اس کے خلاف مظاہروں کی صورت میں جان دینے کے لئے سڑکوں پر آ گئے تھے۔ بالآخر اس کی پولیس عاجز آ گئی اور فوج نے ان مظاہرین پر گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو اپنا ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا اور انقلابیوں کو کامیابی حاصل ہوگئی۔ کچھ عرصہ پہلے یوکرائن میں بھی اس قسم کی صورت حال پیش آ چکی ہے۔

گذشتہ تمام تر بحث کا مدعا یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے لئے منظم احتجاجی تحریک کا طریقہ ہی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔ بصورت دیگر اگر ہم انتخابی سیاست کے میدان میں اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے، تو اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ کے تجربے سے قطع نظر ایم ایم اے کی حالیہ کارکردگی پر ہی نگاہ ڈالی جائے تو صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ گزشتہ انتخابات میں ایم ایم اے کو صوبہ سرحد میں مکمل اور بلوچستان میں قابل لحاظ کامیابی حاصل ہوئی۔ جس کے نتیجے میں سرحد میں اُس کی بغیر کسی کے تعاون واشتراک سے حکومت بنی اور بلوچستان میں وہ مخلوط حکومت میں شامل ہوئی۔ مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج تک نفاذ شریعت کے معاملے میں اُن سے کوئی کام نہ ہو سکا۔ بلوچستان میں تو پھر بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مخلوط حکومت کا حصہ ہے، لہٰذا کچھ نہ کر سکی مگر سرحد میں جہاں مجلس عمل کی اپنی حکومت ہے، وہاں بھی منکرات کے خاتمے کے حوالے سے ایک انچ پیش رفت نہ ہو سکی۔ مجلس عمل کی حکومت کو پانچ سال ہو چکے ہیں، مگر وہاں پر عملاً وہی ہو رہا ہے، جو ملک کے دیگر صوبوں میں ہوتا ہے۔ باطل حکومت جو بھی کرنا چاہتی ہے، کر لیتی ہے، ایم ایم اے کی حکومت اُس کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہ بن سکی۔ حد یہ ہے کہ حسبہ بل بھی قانون کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔ کہنے والے کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ اگر ایم ایم اے حکومت میں نہ ہوتی تو پھر بھی حکومت کے خلاف کھڑی ہو جاتی، مگر حکومت میں ہونا، اُن کے پاؤں کی بیڑی بن گیا، وہ مصلحتوں کا شکار ہو گئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتخابی راستے سے صرف چہرے تبدیل ہوتے ہیں، نظام تبدیل نہیں ہوتا۔ انتخابات کے ذریعے پہلے سے موجود نظام کو تو بہتر بنایا جا سکتا ہے مگر نظام کو ہٹا کر دوسرا نظام نہیں لایا جا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ ہماری دینی جماعتیں اس نکتے پر غور کریں اور انتخابی سیاست کے کھیل سے باہر آئیں اور ایک منظم عوامی احتجاجی تحریک کے لئے جدوجہد کا آغاز کریں، اقبال نے کیا خوب کہا تھا۔

الیکشن ممبری، کرسی، صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ منظم جماعت، ایک حزب اللہ تیار کی جائے جس کا طریقہ یہ ہے کہ معاشرے میں قرآن حکیم کی دعوت کو عام کیا جائے، مسلمانوں میں اُن کی دینی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کیا جائے، انہیں خواب غفلت سے بیدار کیا جائے۔ اب اس دعوت کے نتیجے میں جو لوگ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر آمادہ ہو جائیں، انہیں جماعت میں شامل کیا جائے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں اُن کی تربیت کی جائے، اُن کا تزکیہ کیا جائے، انہیں اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے، اُن میں دین کے لئے سخت محنت ومشقت اور ایثار وقربانی کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ انہیں نظم وضبط اور سمع وطاعت کا خوگر بنایا جائے۔ ایسے ہی تربیت یافتہ لوگ اسلامی انقلابی تحریک کا سرمایہ ہوتے ہیں، ورنہ تربیت اور تنظیم سے عاری افراد کے جھتے اور بھیڑ کو انقلابی مشن کے لئے میدان میں لایا گیا، تو جیسے ہی ایک طرف سے ان پر لاٹھی چارج ہوا، دوسری طرف سے لوگ منتشر ہو جائیں گے۔

بہرحال جب تربیت یافتہ افراد کی ایک بڑی جمعیت تیار ہو جائے، بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے خیال میں ایسے دو لاکھ افراد جماعت کے پاس آ جائیں تو پھر حکومت کے خلاف اقدام کیا جائے۔ یہ مطالبہ لے کر سیکرٹریٹ یا پارلیمنٹ ہاؤس کا گھیراؤ کیا جائے، وہاں دھرنا دیا جائے کہ شریعت نافذ کرو، اللہ کی دھرتی پر اللہ کا قانون نافذ کرو۔ تم خواہ ہم پر تشدد کرو، لاٹھی چارج کرو، گولی چلاؤ، ہم اگرچہ کسی بھی قسم کی جوابی کارروائی ہرگز نہیں کریں گے اور نہ توڑ پھوڑ کریں گے، مگر اپنے مطالبات سے کسی صورت پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

ہمارے دینی رہنما بالخصوص محترم قاضی حسین احمد صاحب اکثر دھرنے کی بات کرتے ہیں، اور عملاً دھرنے دیتے بھی ہیں، مگر یہ دھرنے بالعموم حکومت گرانے یا جمہوریت کی بحالی کے لئے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے دینی اکابرین سے دست بستہ درخواست کرتے ہیں کہ خدارا! دھرنے اسلامی نظام کے لئے دیجئے، جو ہمارا اور آپ کا اصل ہدف ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اسلامی نظام کے لئے پُر امن اور منظم احتجاجی تحریک چلے، تو اسے ضرور کامیابی حاصل ہوگی، اور نفاذ اسلام کی منزل قریب آئے گی (ان شاء اللہ)، بشرطیکہ اقدام سے قبل جماعت کے افراد کو تربیت کی بھٹیوں سے گزارا گیا ہو، اور علماء نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا ہو۔ دعوت دین کے ذریعے منکرات کے بارے میں شعور بیدار کیا ہو۔ اور ملک میں انقلاب کا عزم لے کر نکلنے والے کارکن پہلے اپنی ذات پر اور اپنے گھر پر اسلام نافذ کر چکے ہوں، انہوں نے اپنے معاملات کو شریعت کے مطابق ڈھال لیا ہو۔ اور وہ اپنی معیشت، معاشرت اور اخلاق کو اسلامی تعلیمات کے تابع کر چکے ہوں۔ اسی لیے تو اقبال کہتے ہیں ؎

خدا کے کام دیکھو بعد، بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

اگر نبی اکرم ﷺ کے منہاج کو سامنے رکھتے ہوئے، اور جماعت کو تمام مراحل سے گزار کر اقدام کیا جائے گا تو اللہ کی نصرت ضرور ہمارے شامل حال ہوگی۔ (ان شاء اللہ)

# لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ: ایک لمحہ فکریہ

## روزنامہ نوائے وقت کے زیر اہتمام حمید نظامی ہال میں ہونے والے بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے فکر انگیز لیکچر کی تلخیص

مرتب: وسیم احمد

وطن عزیز پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں حال ہی میں جو نہایت خونچکاں واقعہ پیش آیا ہے، پوری ملت اسلامیہ پاکستان اس کی بناء پر سوگوار ہے۔ اس واقعہ سے بہت سے لوگوں کو شدید صدمہ ہوا، جو گریہ زاری تک پہنچ گیا ہے۔ ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا، اس کا پس منظر کیا ہے؟ جو کچھ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں ہو رہا تھا، دینی جماعتوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں نہیں کیا؟ یہاں تک کہ مدارس دینیہ اور سب سے آگے بڑھ کر وفاق المدارس جس سے جامعہ حفصہؓ کا الحاق تھا، اس نے بھی ساتھ نہیں دیا، بلکہ اعلان براءت کیا، اور ان کی رکنیت خارج کی، حالانکہ دین کی بات ہو رہی تھی، شریعت کے نفاذ کا مطالبہ ہو رہا تھا، منکرات کی استحصال کے لیے کچھ اقدامات کیے گئے تھے۔ بظاہر تو یہ ساری باتیں بہت ہی اچھی اور عمدہ تھیں، مطلوب اور مقصود تھیں، تو پھر سبب کیا ہے؟ پھر یہ بھی سوچنا ہوگا کہ اس واقعہ کے پیچھے اصل محرک کیا ہے اور کون ہے؟ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اب اس کے عواقب و نتائج کیا نکلیں گے اور آخر میں یہ کہ اس ضمن میں لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟

اس واقعہ کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ہم پر دو ڈھائی سو سال ایسے گزرے ہیں کہ مسلمان ممالک یورپی ممالک کے غلام ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے اس عرصہ میں ہم مجبور اور مفتوح تھے۔ ہم پر دوسری قومیں حاکم تھیں، لہٰذا انہوں نے جو چاہا نظام بنایا، جو چاہا قانون نافذ کیا۔ لیکن جیسے ہی پچھلی صدی کے تقریباً وسط کے آس پاس اس نوآبادیاتی نظام کا بستر طے ہونا شروع ہوا اور مسلمان ممالک ایک ایک کر کے آزاد ہونے شروع ہوئے تو عوامی سطح پر ایک جذبہ اُبھرا، جیسے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو اسے یاد آتا ہے کہ کوئی خواب اس نے دیکھا تھا۔ تو جب ہم بیدار ہوئے تو ہمیں محسوس ہوا، اس دنیا کے بہت بڑے رقبے پر کبھی ہمارا دبدبہ تھا، ہماری، سطوت و شوکت اور ہمارا نظام تھا، ہمارے قوانین تھے۔ یہ قوانین اور نظام دوبارہ دنیا پر غالب ہو، ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو۔ اس خواہش اور جذبے نے پورے عالم اسلام میں کچھ تحریکوں کی شکل اختیار کی۔ یہ تحریکیں بیک وقت اُبھری، حالانکہ ان کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کوئی ایسا مرکزی نظام اور مرکزی تنظیم نہیں تھی جو ان سب کو فیڈ اور لیڈ کر رہی ہو۔ انڈونیشیا میں مجموعی پارٹی، ایران میں فدائین، ترکی میں سعید نورسی کی تحریک، اور ان کے علاوہ پاک و ہند (متحدہ ہندوستان) میں متعدد تحریکیں اُٹھیں۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد میدان میں آئے، اور انہوں نے (1913ء میں) حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگایا۔ اور حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ اگرچہ 1920ء میں مایوس ہو کر انہوں نے اس جماعت کی بساط لپیٹ دی۔ پھر خیری برادران نے جماعت المسلمین قائم کی۔ وہ جرمنی میں پڑھ کر آئے تھے اور وہاں سے انہوں نے ہٹلر کی نازی پارٹی کے طریقہ کار کا مشاہدہ کیا تھا تو اسی انداز میں انہوں نے سمجھا کہ یہاں بھی ایک اسلامی جماعت قائم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح علی گڑھ میں جماعت مجاہدین قائم ہوئی۔ پھر علامہ مشرقی کی تحریک تو بہت بڑی تحریک تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک نے ایک دفعہ پورے ہندوستان کی زمین کو دہلا دیا تھا۔ پھر یہ مسلم لیگ جو صرف ایک Negative ایلیمنٹ یعنی ہندو کے خوف کے تحت چل رہی تھی اور اس کی جدوجہد کا ہدف یہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے مابین کوئی فارمولہ طے ہو جائے تاکہ آزادی کے بعد مسلمان مطمئن ہوں کہ ان کے حقوق محفوظ ہیں، مگر 1930ء میں علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد میں اُسے احیائے اسلام کا Positive تصور عطا کیا۔ 1940ء میں جماعت اسلامی ہند میدان میں آئی اور حکومت الٰہیہ کے قیام کا نعرہ لگایا۔ یہ جماعتیں ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ایک تشخص رکھنے والی جماعتیں اور تحریکیں تھیں۔ جو برعظیم پاک و ہند میں اُبھری، جسے عالم اسلام کے عجمی (یعنی غیر عربی) حصہ کے امام کی حیثیت حاصل ہے۔ عالم عرب کا ثقافتی امام مصر تھا۔ وہاں بھی اس وقت ایک عظیم تحریک الاخوان المسلمون اُٹھی۔ یہ بہت بڑی تحریک تھی۔ ایک مرتبہ میرے طالبعلمی کے زمانے میں مولانا مودودیؒ نے یہ بات بتائی تھی کہ یوں سمجھو کہ ہندوستان میں یہ مختلف مکاتب فکر جماعتوں کی شکل میں منظم ہوئے۔ اور وہاں یہ سب کے سب جمع ہو کر الاخوان المسلمون کی شکل میں سامنے آ گئے۔ اس کے بعد ایک اور جماعت حزب التحریر کے نام سے قائم ہوئی۔

بہرحال یہ تحریکیں جو اس عرصے میں شروع ہوئیں ان کا ایک ہی مقصد، ایک ہی خیال، ایک ہی نظریہ، ایک ہی تصور تھا کہ اسلام ایک نظام حیات ہے، اسے قائم و نافذ ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس، صد افسوس، ان تحریکوں میں سے کسی کو بھی کہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ان کا خلوص و اخلاص اور جوش و جذبہ اپنی جگہ ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کم و بیش کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ الاخوان المسلمون میں جوش و جذبہ بے پناہ تھا اور فکری اعتبار سے برعظیم پاک و ہند کا پلڑا بھاری تھا، لیکن یہ ایک ہی نغمہ ہے جو کہیں اونچا اور کہیں مدھم اور ایک ہی جذبہ ہے، کہیں واضح اور کہیں مبہم۔ پھر یہ کہ ان تحریکوں کا ہدف بھی ٹھیک اور صد فیصد درست تھا۔ لیکن ان تحریکوں نے جہاں مار کھائی ہے، وہ تھا طریقہ کار۔ طریقہ کار کے ضمن میں انہوں نے یہ سمجھا کہ دنیا میں جو Contemprary چیزیں چل رہی ہیں، اسی راستے پر چل کر ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ یہی بہت بڑی غلطی تھی۔ اسلام کے ایک نظام ریاست کی حیثیت سے قائم ہونے کا معاملہ تاریخ میں صرف ایک مرتبہ ہوا، اور وہ حضورؐ کے دست مبارک سے ہوا، اور اب ایک مرتبہ پھر ہونا ہے۔ اور گلوبل ہونا ہے، پوری دنیا میں۔ اس کی خبریں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہیں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ طریقہ کار کاربن کاپی کی طرح وہی ہو جو حضورؐ کا تھا، تب کامیابی ہوگی، ورنہ نہیں۔ اس سے ذرا سا بھی انحراف ہو جائے گا، تو خلوص و اخلاص، جوش و جذبہ اور بلند مقاصد اپنی جگہ مگر ان سب کا معاملہ اور تعلق جزائے اخروی سے ہے کہ اس کی بنیاد پر دنیا میں چاہے ناکام ہو جائیں، آخرت میں ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔ جہاں تک دنیا میں کامیابی کا تعلق ہے، اس کے ضمن میں نبوی ﷺ طریقہ کار کی پیروی انتہائی اہم ہے، ورنہ ہم ڈور کو سلجھاتے رہیں گے اور ہمیں سرا نہیں ملے گا۔ یہ بات بڑی آسان لگتی ہے کہ الیکشن میں حصہ لو۔ اسلام کے نام پر لوگ ووٹ دیں گے۔ اگر ہم اکثریت میں آ گئے تو ہم نظام قائم کر دیں گے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ الیکشن میں Power Basis ہوتے ہیں، جس کی بنیاد پر ووٹ ملتے ہیں۔ جاگیر داری ہے تو جاگیرداروں کو ووٹ ملیں گے۔ سرمایہ داری ہے تو سرمایہ داروں کو ووٹ ملیں گے۔ برادری سسٹم ہے تو برادری کی بنیاد پر ووٹ ملے گا، الا یہ کہ لوگوں کی عظیم اکثریت کے ذہن تبدیل ہو چکے ہوں۔ ان کے دل تبدیل ہو چکے ہوں۔ وہ ان تمام بندھنوں سے آزاد ہو کر صرف اسلام کے لیے ووٹ دینے کے لیے تیار ہوں۔ دینی جماعتوں نے اسی کی اُمید کی لیکن یہ اُمید کارگر ثابت نہ ہوئی۔

ہمارے ہاں ایک اور بڑی تحریک تبلیغی جماعت کی اُبھری اور رائے ونڈ میں اس کے تاریخی اعتبار سے عظیم ترین اجتماعات ہوتے ہیں۔ انہوں نے مذہبی اقدار کے احیاء کا قابل قدر کام تو کیا ہے۔ چنانچہ لوگوں میں عبادات کا شغف اور وضع قطع کے اندر اسلامی رنگ تو پیدا ہوا لیکن ان کے ہاں نظام بدلنے کا کوئی تصور بھی موجود نہیں۔ بہت ہی سادہ فارمولہ وہ دیتے ہیں کہ جب سب لوگ ٹھیک ہو جائیں گے تو نظام بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ بھئی، سب لوگ تو کبھی دنیا میں آج تک ٹھیک ہوئے ہی نہیں۔ حضورؐ کے زمانے میں بھی سب لوگ ٹھیک نہیں ہوئے تھے، آج کیسے ہو جائیں گے۔ اگر صرف

دعوت و تبلیغ سے یہ نظام قائم ہو سکتا تو محمد رسول اللہؐ کبھی بھی تلوار ہاتھ میں نہ لیتے، اور کسی مسلمان کا خون تو بہت دور کی بات ہے، کسی کافر کا خون بہنا بھی گوارہ نہ کرتے۔ دعوت و تبلیغ سے سلیم الفطرت تو لوگ کھنچ کر آ جاتے ہیں، لیکن جن کے مفادات ہوتے ہیں یعنی بگڑے تگڑے لوگ، وہ تو ہر حال میں راستہ روکتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

قرآن میں بار بار **"ولو کرہ المشرکون"** اور **"ولو کرہ الکافرون"** کے الفاظ کیوں آ رہے ہیں۔ اس لئے کہ انھیں تو یہ سخت ناگوار ہے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ ہمارا نظام برقرار رہے، ہمارا Status قائم رہے۔ ہمارے مفادات قائم رہیں۔ اس حوالے سے یہ دوسرا راستہ بھی اصل میں ایک سراب ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اگر اس کے ذریعے دین غالب ہو سکتا تو حضورؐ کے دست مبارک سے، بغیر خون کا قطرہ گرائے ہوئے انقلاب برپا ہو جاتا، لیکن محض دعوت سے وہاں یہ کام نہیں ہوا۔ اگر وہاں بھی سینکڑوں صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا، خود حضورؐ کا خون دو مرتبہ گرا ہے اور طائف کی مٹی میں جذب ہوا ہے اور دامن احد کے اندر بھی اس کی ندی بہی ہے تو ظاہر ہے کہ قربانیاں دیے اور خون بہے بغیر اس کام کا ہونا ناممکن ہے۔

اس میں ایک Phnomenon کا اور اضافہ ہوا۔

**کوہ ہندوکش اور کوہ ہمالیہ کے مابین تکون میں جو قوم آباد ہے، پوری دنیا کے مسلمانوں میں اگر اسلام ختم ہو جائے تب بھی اس علاقے میں ختم نہیں ہوگا، یہاں کی نبضیں چلتی رہیں گی**

آج سے کوئی پچیس تیس سال قبل افغانستان میں مسلح جہاد شروع ہوا۔ افغانستان میں روسی فوج آئی تو افغان قوم اُس کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے اندر جذبۂ حریت ہے اور اتنا طاقتور ہے کہ وہ غلام رہنا جانتے ہی نہیں۔ امریکہ نے دیکھا کہ یہ گولڈن چانس ہے۔ اس قوم میں جان ہے اور یہ جان دینے کو تیار ہے۔ انہیں استعمال کیا جائے، جانیں ان کی جائیں۔ پیسہ دو، اسلحہ دو، سامان دو، اور ویت نام کی جنگ کا بدلہ چکاؤ، اور دنیا میں اپنے مدمقابل نظام کو تہس نہس کر دو۔ لہٰذا امریکہ کی مدد سے جہاد افغانستان چلتا رہا۔ اب یہاں دو چیزیں ذہن میں رکھیے۔ ایک ہے افغانوں کا اخلاص جو وہاں کھڑے ہو گئے تھے اور بغیر اسلحہ کے کھڑے ہو گئے تھے، اور شروع میں انھیں کوئی قیمتاً بھی اسلحہ فروخت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن جب امریکہ نے دیکھا کہ یہ ایک موقع ہے، تو اسے سپورٹ کرنے لگا، امریکہ کی اسکیم اپنی جگہ، اور افغانوں کا خلوص و اخلاص اپنی جگہ۔ ان دونوں کو گڈمڈ مت کیجیے گا، لیکن کامیابی میں بہرحال ہتھیاروں کا دخل تھا۔ اگر سٹنگر میزائل نہ آتا تو روس وہاں سے بھاگنے والا نہیں تھا۔ اس دور میں امریکہ نے دنیا میں جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ خوب لگوایا۔ اسامہ بن لادن اور عمر عبدالرحمٰن (جو اس وقت امریکہ کی قید میں ہیں) عبداللہ عزام جو پشاور میں شہید ہو گئے تھے، یہ تینوں کون تھے۔ یہ تمام عرب ممالک سے مجاہدین کو لے کر آ رہے تھے۔ لیکن یہ امریکہ کی گرینڈ اسکیم تھی، اور یہ لوگ امریکہ کے آلۂ کار بن گئے۔ آپ سوچیے کہاں کہاں سے لوگ آئے ہیں۔ سعودی عرب سے، جہاں دولت کی ریل پیل تھی ہر طرح کا عیش میسر تھا مگر نوجوان آئے اور انہوں نے سختیاں جھیلیں اور جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت حکومت پاکستان اور اس کی ایجنسیوں نے یہ سوچا کہ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو یعنی کشمیر کا مسئلہ بھی اس میں نمٹا لو۔ یہ افغان جہاد کا فال آؤٹ تھا کہ کشمیر میں مسلح جہاد شروع ہوا۔ یہ بھول گئے کہ وہاں تو امریکہ پشت پر تھا یہاں کون ہے۔ یہ اس جہادی کلچر کا ایک نمونہ ہے جو پاکستان کے مرکز اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے اندر سامنے آیا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ غلبہ اسلام کی آرزو لئے امت کے یہ قافلے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں۔ گویا ؎

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لیے

اب سوال یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے لئے نتیجہ خیز طریقہ کار کون سا ہے۔ یہ دراصل نبویؐ طریق انقلاب ہے۔ جس کے حوالے سے ہمیں مروجہ تمام طریقوں کو Asses کرنا ہوگا کہ کہاں غلطی ہو رہی ہے۔ دیکھیے، حضورؐ کے طریقہ کار کیا تھا۔ سب سے پہلے دلوں میں ایمان پیدا کرو، یقین والا ایمان، یہاں ہم نے دھوکہ کھایا ہے۔ ہم نے یہ سمجھا کہ ہم مسلمان ہیں، تو ایمان تو ہے۔ بس یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ وہ یقین والا ایمان کہاں ہے۔ اگرچہ ایک عقیدہ کا ایمان تو ہے، کہ پیدائشی طور پر ہم مسلمان ہیں، لیکن دلوں میں جھانکیں تو ہماری حالت اس سے مختلف نہیں ہے، جو سورۃ الحجرات میں بیان کی گئی ہے۔ "(ترجمہ) یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ) ان سے کہیے کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو۔ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔" تو دلوں میں جھانکیے، کیا یقین والا ایمان ہے؟ کیا اس بات پر یقین ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور پھر اپنے اعمال کا جائزہ لے لیجیے، اپنی بھاگ دوڑ کو دیکھ لیجیے۔ کتنی بھاگ دوڑ آخرت کے لیے اور کتنی دنیا کے لیے کر رہے ہو۔ تو پہلا کام دلوں میں یقین والا ایمان پیدا کرنا ہے اور وہ قرآن کے ذریعے سے ممکن ہے۔ اگر وہ یقین والا ایمان نہیں تو پہلے اسے پیدا کیجیے۔ اس کا ثبوت یہ ہوگا کہ افراد شریعت کی پابندی کرنے لگیں۔ شریعت کے بعض احکام تو وہ ہیں جن پر ہم اس وقت تک عمل نہیں کر سکتے جب تک کہ نظام نہ بدل جائے، مثلاً ہم چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتے، اسی طرح سود سے بالکلیہ آزاد ہونا، کسی کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہماری ساری معیشت سود پر ہے۔ لیکن ایسے شرعی احکامات جن پر عمل ممکن ہے، اگر ہم پورے طور سے ان کی پیروی کریں تو اس کا مطلب ہے کہ ایمان حقیقی موجود ہے، ورنہ ہم مومن نہیں، مجرم ہیں۔

ایسے سلیم الفطرت اصحاب جن کی معاش اور معاشرت حرام سے پاک ہو جائے، اب ان کو منظم کیا جائے۔ جماعت سازی کے لیے مسنون طریقہ بیعت کا ہے۔ حضورؐ نے بیعت لی، حالانکہ آپؐ تو اللہ کے رسول تھے، آپ کی اطاعت تو کرنی ہی کرنی تھی۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا: میرے ساتھ عہد کرو، جو حکم دوں گا مانو گے، چاہے مشکل ہو یا آسان ہو، چاہے طبیعتیں آمادہ ہوں چاہے اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے، چاہے میں تم پر دوسروں کو ترجیح دے دوں اور جس کو بھی میں امیر بناؤں، ان سے جھگڑو گے نہیں۔ اس کی بھی اطاعت کرو گے۔ (ہاں اپنی رائے ضرور ظاہر کرو گے، جہاں کہیں بھی ہوں گے، بولنے پر پابندی نہیں ہوگی)۔ یہ میں نے ایک متفق علیہ حدیث کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ یہ دوسرا مرحلہ آسان نہیں ہے۔ یہ نفس کے لئے مشکل ترین کام ہے ع مشکل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں۔ اسی لیے زور دے دے کر کہا گیا: **علیکم بالجماعۃ** اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: **لا اسلام الا بالجماعۃ ولا جماعۃ الا بالامارۃ ولا امارۃ الا بالاطاعۃ**

تیسرا مرحلہ ہے تزکیہ۔ اب ایسی تربیت ہو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے دل کے اندر کوئی اور امنگ، کوئی اور ارادہ، کوئی اور مقصد باقی نہ رہے۔ یہی وہ کمزوری تھی ان مجاہدین میں جو افغانستان میں لڑ رہے تھے۔ حکمت یار کہتا تھا کہ میں حکومت بناؤں گا۔ احمد شاہ کہتا کہ حکومت میری ہوگی۔ چنانچہ آپس میں اقتدار کی چپقلش نے اس جہاد کو فساد فی سبیل اللہ بنایا۔ جب تک یہ نفسانیت دلوں سے نہیں نکلتی، ظاہر ہے کہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھائیں گے۔ نفس اڑنگا لگاتا ہے، اور آپ کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

چوتھا مرحلہ ہے Passive Resistance۔ مکی دور میں حکم تھا، چاہے تمہیں زندہ جلا دیا جائے تم نے ہاتھ نہیں اُٹھانا۔ No raising of hand even in self defence

ان چار مراحل کے بعد اگر معتد بہ تعداد میں ایسے لوگ جمع ہو جائیں جو وہ تین شرطیں پوری کر رہے ہوں۔ یعنی اپنے اوپر شریعت نافذ کر چکے ہوں نظم کے پابند ہوں اور اُن کا مقصود صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی بن چکا ہو، تو پھر یہ کہ اقدام کیا جائے۔ وہ اقدام حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ سے ثابت ہے، اور آج بھی باطل کے خلاف مسلح جدوجہد کی جا سکتی ہے۔ یہ حرام نہیں ہے۔ یہ تو غلام احمد قادیانی نے کہا تھا کہ ع دیں کے لیے حرام ہے اب دوستو قتال، نہیں ہرگز نہیں، قتال فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ ان میں سے کوئی شے ممنوع نہیں ہو سکتی۔ البتہ اس کے لیے شرائط ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے پہلے دن سے قتال شروع نہیں کر دیا تھا۔ تاہم آج کے دور میں مسلمان ملکوں میں جہاں Nations State بنی ہوئی ہیں، حکمرانوں کے خلاف قتال کا معاملہ مشکل ہے۔ اب نیشن سٹیٹ کے اندر مضبوط حکومت ہے، فوج ہے، ٹینک ہیں۔

حکومت کے پاس ائیر فورس ہے، ہیلی کاپٹرز ہیں۔ حکومت کے پاس کیا نہیں ہے۔ تو بحالات موجودہ حکومتوں سے مقابلہ ممکن نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھئے، میں قتال کو حرام نہیں کہہ رہا۔ البتہ موجودہ دور میں اس کا متبادل عوامی مطالباتی تحریک ہے جو سیلاب کی مانند آگے بڑھے لیکن یہ منظم اور پُرامن ہو، کہیں کوئی توڑ پھوڑ نہ ہو۔ یہ منظم پُرامن تحریک حکومت کو بہا کر لے جاسکتی ہے اور شروع میں حکومت کے کہنے پر فوج گولیاں چلائے گی۔ 1977ء یہاں لاہور میں بھی گولیاں چلی تھیں، لیکن پھر بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل کھڑے ہو گئے کہ اب ہم فائرنگ نہیں کریں گے۔ کچھ جانوں کی قربانی تو دینا پڑے گی۔ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے نکلے ہوں اور جان دینے کے لیے تیار نہ ہوں، یہ تو انہونی بات ہے۔ خود حضورؐ کی خواہش یہ رہی ہے کہ ''میری بڑی تمنا ہے، میں اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں۔ پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں۔ پھر میں زندہ ہو جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔'' نفاذ دین کے آخری مرحلے میں جانیں لینے نہیں جانیں دینے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ یہ ہے وہ طریقہ کار جو موجودہ حالات میں ممکن ہے۔ اس طریقہ کار سے ہٹ کر کامیابی ممکن نظر نہیں آتی۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ والے عبدالرشید اور عبدالعزیز برادران نے کوئی ملک گیر جماعت نہیں بنائی۔ اس کے کوئی Ranks سامنے نہیں آئے۔ ان کی دعوت کیا تھی، کس طور سے تھی، پتا نہیں، ایک چھوٹی سی جگہ پر ان کو حیثیت حاصل ہوئی، کیونکہ ان کے والد محترم مولانا عبداللہ شہید وہاں پر بہت عرصے تک رہے، جو بڑے جری اور باہمت انسان تھے۔ ان کی وراثت میں ان کو وہ جگہ بھی ملی اور انھیں سپورٹ بھی ملی۔ ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں پوری سپورٹ ملی۔ اعجاز الحق صاحب سے تو ان کے دوستانہ اور گھریلو قسم کے مراسم تھے۔ سب کچھ ہو گیا، لیکن اس سے وہ طریقہ تو پورا نہیں ہوتا، جس کی بناء پر ایسا اقدام کر لیا جائے، اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ جہاں کروڑوں کی آبادی ہو، وہاں کم از کم لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ تو ہونے چاہئیں جو منظم ہوں اور وہی تین چار شرطیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں، پوری کریں، ایک شخص سے بیعت سمع واطاعت ہو، اس کے حکم پر حرکت کریں اور جب حکم دیا جائے رک جائیں اور یہ کہ کوئی اور مقصد اُن کے سامنے نہ رہے، سوائے ؎

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

یہ شرطیں پوری کرنے والے لاکھوں افراد پر مشتمل جب تک کہ کوئی جماعت نہ بنے، اس کے بغیر کوئی اقدام کر کے قانون اپنے ہاتھ میں لے لینا، اپنی عدالت بنا لینا، لوگوں کو پکڑ کر لانا اور پھر ان سے توبہ کروانا اور ان عورتوں پر برقع اڑا کر پھر مسجد سے رخصت کرنا، یہ نہی عن المنکر ضرور ہے، لیکن نفاذ دین کے طریقہ کار کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کسی دینی جماعت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم بھی ان میں شامل ہیں، ہم نے یہ تو کہا کہ مقاصد ان کے صحیح ہیں۔ مطالبات ان کے درست ہیں۔ نیتیں اور، جذبہ صالح ہے، مگر طریقہ کار صحیح نہیں ہے۔

دوسری طرف حکومت یعنی صدر مشرف نے انتہائی بدنیتی اور پوری طرح سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس معاملے کو آگے بڑھایا۔ میرے نزدیک اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ چھوٹا سا معاملہ تھا، سادہ سی بات تھی، اسے باآسانی حل کیا جاسکتا تھا۔ جسم پر کہیں پھنسی نکل آئے۔ آپ دو دن کوئی اینٹی بایوٹک لے لیں، وہ بیٹھ جائے گی۔ مگر جنرل مشرف نے پھوڑے کو پکایا اور بڑھایا۔ ایک بہت بڑا Phenomenon بنایا۔ پھر اس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا ہے، تاکہ دنیا میں وہ ایک بہت بڑے ہیرو کی حیثیت سے سامنے آجائیں۔ اندرون ملک ان کے اقتدار کی نیا ہچکولے کھا رہی تھی۔ چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس والا معاملہ اور اس کے ردعمل کے طور پر حکومت کی اتحادی جماعت MQM نے کراچی میں قتل عام کیا۔ پھر لندن میں APC والا معاملہ بھی تھا۔ ان سب واقعات کی وجہ سے پرویز مشرف بوکھلاہٹ سے گئے تھے۔ ان حالات میں انہیں سپورٹ کی شدید ضرورت تھی، اور اس کے لیے یہ دکھانا ضروری تھا کہ دیکھو، یہ مذہبی انتہا پسندی ہے، جو اس ملک کے مرکز تک پہنچ چکی ہے اور صرف میں ہوں کہ جو اس کو کرش کر سکتا ہوں۔ کوئی بھی سیاسی حکومت اس سے نبرد آزما نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے وہ چیز ہے جس کا مشرف نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اور جو اُس کا مقصد تھا اُس نے حاصل کر لیا۔ امریکہ سے شاباش آ گئی۔ سب سے پہلے برطانیہ سے شاباش آئی اور معاملہ ایسا ہے کہ اس میں چین سے بھی شاباش آئی ہے۔ اس المناک سانحہ سے پہلے کچھ ایسے ''فیلرز'' آ رہے تھے کہ ''باہر والے'' بھی اب کچھ مایوس ہو رہے ہیں، لیکن اس تازہ ''کارنامے'' کے بعد وہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ مشرف کو یہاں پر ابھی رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ بے نظیر جز جائے، کوئی اور جز جائے اور بے نظیر کا معاملہ تو صاف نظر آ رہا ہے کہ اس کی ڈیل ہوگئی ہے۔ اس کا ایک مقدمہ تو واپس لیا جاچکا ہے۔ حکومت کے اس اقدام کی الطاف حسین اور بے نظیر دونوں نے تائید کی ہے اور خوشی کا اظہار کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہاں پر دراصل ایک جوا کھیلا جا رہا ہے، وہ یہ کہ سیکولر پارٹیوں کو جمع کر کے ایک ان کی حکومت یہاں پر بن جائے، تاکہ مساجد و مدارس پر ان کے خیال کے مطابق انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے کریک ڈاؤن کیا جاسکے۔ حکومت کو یہ جان لینا چاہیے کہ مساجد مدارس پر ایسے کسی بھی قسم کے کریک ڈاؤن کا شدید ردعمل ہوگا۔ اور یہ ردعمل جاری رہے گا۔ اس کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو خدانخواستہ ملک میں خانہ جنگی کی سی صورت پیدا کر دے گا۔ اس سارے واقعے کی سپریم کورٹ آف پاکستان کے ذریعے اعلیٰ سطحی عدالتی تحقیقات ہونی چاہئیں۔ اس کی رپورٹ منظر عام پر آئے اور مجرم قرار پانے والوں پر مقدمات قائم کیے جائیں۔

کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام آباد میں آرمی ایکشن جسے ''آپریشن سائلنس'' کا نام دیا گیا، اس کا کوئی ردعمل نہیں ہوگا، یہ درست نہیں۔ میرے خیال میں کم از کم صوبہ سرحد میں اس کا شدید ردعمل ہوگا (اور ہو رہا ہے۔ از مرتب) کیونکہ اسلام کے بنیادی شعائر اس علاقے کے کلچر کا جزو ہیں۔ آپ انہیں کھینچ کر نہیں نکال سکتے۔ دو رصحابہؓ کے بعد عظیم ترین جہادی تحریکیں اسی علاقے سے اٹھی ہیں، جیسے تحریک شہیدینؒ اور حال ہی میں صوفی محمد صاحب کی تحریک وغیرہ۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ کوہ ہندوکش اور کوہ ہمالیہ کے مابین تکون جسے Roof of the world کہتے ہیں میں جو قوم آباد ہے، پوری دنیا کے مسلمانوں میں اگر اسلام ختم ہو جائے تب بھی اس علاقے میں ختم نہیں ہوگا، یہاں کی نبضیں چلتی رہیں گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ سرحد میں صورت حال مزید بگڑے گی، وہاں کے لوگ سیکولرازم کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔

ان حالات میں اب کرنا کیا چاہیے۔ میرے نزدیک تین باتیں ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت کے لیے اس کی نظریاتی اساس کا شعور دوبارہ اُجاگر کیا جائے۔ اس پر بڑے شکوک وشبہات کے پردے پڑ گئے ہیں۔ ہمارے ہاں کا سیکولر اور ملحد طبقہ یہ کہہ رہا ہے نظریہ پاکستان نام کی کوئی شے نہیں تھی، یہ خواہ مخواہ کی بات ہے۔

دوسری بات یہ کہ دستور پاکستان جو منافقت کا پلندہ ہے، اگرچہ اس میں پورا اسلام موجود ہے، لیکن اس میں کئی چور دروازے رکھے گئے ہیں۔ دستور پاکستان میں ترمیم کر کے وہ چور دروازے بند کیے جائیں، تاکہ تدریجاً یہاں پر اسلامائزیشن کا عمل شروع ہو سکے۔ ہم نے ان مجوزہ دستوری ترامیم کا مسودہ تیار کر کے نواز شریف کو بھی دیا تھا۔ انہوں نے اپنے والد مرحوم کی موجودگی میں اس کی بنیاد پر قانون سازی کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا، لیکن انہوں نے وعدہ خلافی کی۔ اس کی بجائے وہ پندرھویں ترمیم لے کر آئے جو بالکل ہی نامعقول اور غیر منطقی تھی۔ یہی مسودہ ہم نے ایم ایم اے کے اکابرین کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ روزنامہ نوائے وقت اور خبریں میں اشتہار کی صورت میں بھی شائع کروایا، لیکن کسی کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بھائی کم از کم پیش تو کر دو، منظور ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا، کون اس کے خلاف بولتا ہے سامنے تو آجائے گا، لیکن کوئی ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوا۔

تیسرے یہ کہ اگر ایسا ہو جاتا تو ملک میں Soft Revolution کی راہ ہموار ہو سکتی تھی۔ اگر ہم نے نرم انقلاب کی طرف پیش قدمی نہ کی تو پھر Hard Revolution کے لیے ایک ''حزب اللہ'' تیار کرنا لازم ہے۔ اس کی تیاری کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو میں نے پہلے عرض کی ہیں۔

میں آپ سب حضرات کو کھلے الفاظ میں دعوت دے رہا ہوں کہ کوئی شخص بھی ملک میں نفاذ اسلام کی جدوجہد سے لاتعلق نہ رہے۔ ہر شخص ذاتی طور پر جائزہ لے کہ کون سی جماعت یا تنظیم نبویؐ انقلاب کے طریقہ کار کو لے کر ملک میں اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہے اور پھر اس میں شامل ہو کر غلبہ دین کی عملی جدوجہد کا آغاز کرے، تاکہ اُسے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو سکے۔

## صدر مشرف کی بدنیتی سے لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کا المناک سانحہ پیش آیا

## نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنیوالے معصوم طلبہ وطالبات کو ظالمانہ طور پر خاک وخون میں نہلا کر امریکہ کو خوش کرنا، اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے

## سپریم کورٹ سانحے کی بھرپور عدالتی تحقیقات کا اہتمام کرے اور معصوم جانوں کے قتل عام کے اصل ذمہ داروں کو عبرتناک سزا دی جائے

# سانحہ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے حوالے سے تنظیم اسلامی لاہور کا احتجاجی مظاہرہ

اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک کے دارالحکومت میں اسلام کی صدا بلند کرنے والوں کے خلاف جو خوفناک اور بہیمانہ آپریشن سائلنس کیا گیا، اور مولانا عبدالرشید غازی سمیت سینکڑوں طلبہ وطالبات کا جس طرح خون بہایا گیا، اس پر ہر مسلمان شدید صدمے سے دوچار ہے۔ اس سانحہ کے حوالے سے تنظیم اسلامی حلقہ لاہور نے 19 جولائی بروز جمعرات بعد نماز عصر پریس کلب شملہ پہاڑی میں مظاہرہ کیا۔

حلقہ لاہور کے رفقاء نے عصر کی نماز پریس کلب شملہ پہاڑی کی مسجد میں ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد امیر حلقہ نے رفقاء کو ہدایات دیں۔ اس کے بعد ناظم مظاہرہ غازی وقاص کی نگرانی میں رفقاء مختلف ٹولیوں کی صورت میں شملہ پہاڑی کے گرد چکر لگاتے ہوئے مظاہرے کی جگہ پر اکٹھے ہوگئے۔ رفقاء نے جو بینر اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے: ان میں سے چند ایک کی عبارتیں کچھ یوں تھیں۔ ''اصل ظالم کون ہے؟ ایک غیر آئینی حکومت کی رٹ کو چیلنج کرنے والا یا منکرات کو فروغ دے کر اللہ کے آئین کے خلاف بغاوت کرنے والا'' ''نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنیوالے معصوم طلبہ وطالبات کو ظالمانہ طور پر خاک وخون میں نہلا کر امریکہ کو خوش کرنا، اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے!'' ''سپریم کورٹ سے ہمارا مطالبہ! لال مسجد کے سانحے کی بھرپور تحقیقات کرائی جائیں اور معصوم طلبہ وطالبات کے قتل عام کے ذمہ دار اصل مجرموں کو عبرتناک سزا دی جائے۔'' ''تڑپتی لاشوں اور بکھرے برقعوں کی پکار! ملک میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو قائم کیا جائے''

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عجل حسن میر نے کہا کہ پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہر طبقہ کی غلطیوں نے پاکستانی قوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا، جب کہ صدر مشرف کے دور حکومت نے قوم کو تباہی کے اس گھڑے میں ہی دھکیل دیا ہے۔ صدر مشرف کی سوچی سمجھی سازش کے تحت پاکستان کے دل اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا المناک سانحہ پیش آیا جس کے ذریعے صدر مشرف نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ایک تیر سے کئی شکار کرنے کی کوشش کی۔ حکمرانوں کو اس ظلم کا حساب دینا ہوگا۔ انتظامیہ لال مسجد کے مطالبات کو تمام علماء نے درست اور جائز قرار دیا تھا۔ البتہ مطالبات کو منوانے کے طریق کار سے اختلاف کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی فوجیوں پر خودکش حملے کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ فوج اور اس

**محمد یونس**

کے وسائل پاکستانی قوم کا اثاثہ ہیں۔ اس کو تباہ کرنے کی کوئی کوشش اپنی کشتی کو ڈبونے کے برابر ہے۔

اس کے بعد امیر حلقہ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں حکومت کے حکم پر آرمی ایکشن کے نتیجے میں سینکڑوں طلبہ وطالبات کے خونِ ناحق پر ہر مخلص مسلمان کا دل رنج والم سے معمور ہے اور صدمے وغم سے کلیجہ چھلنی ہے۔ وہ مسئلہ جسے مذاکرات اور لچک کے ذریعے آسانی سے حل کیا جا سکتا تھا، اس کے حل کے لئے ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ آہنی ہاتھ کا استعمال کر کے جبر وتشدد کی نہایت سنگین داستان رقم کی گئی ہے۔ اور اس طرح ہمارے حکمرانوں نے ملک میں خانہ جنگی کی راہ ہموار کر دی ہے۔ یہ معصوم جانیں جنہیں قومی مجرم قرار دے کر خاک اور خون میں نہلا دیا گیا، ان کا جرم اس کے سوا اور کیا تھا کہ انہوں نے اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں شریعت کے نفاذ اور اسلام آباد میں شہید کی گئی مساجد کی تعمیر نو کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کا جرم یہی تو تھا کہ وہ منکرات وفاشی وبے حیائی کے خاتمے کے لئے غیرت وحمیت دینی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ غور طلب بات ہے کیا نفاذ شریعت کا مطالبہ ایک ناجائز مطالبہ تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس مطالبے کو پاکستان کے تمام علماء نے درست اور جائز مطالبہ قرار دیا۔ اسی طرح کیا منکرات اور فحاشی وحرام کاری کے خلاف آواز اٹھانا حمیت دینی کا تقاضا نہیں ہے۔ ہاں قانون کو ہاتھ میں لینے پر دو رائیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اپنے ہی شہریوں پر طاقت کا بے دریغ استعمال اور معصوم طلبہ وطالبات کو گولیوں سے بھون دینا کسی بھی حکومت کے لئے خوشی اور مسرت کا مقام نہیں۔ انتہا پسندی، عسکریت پسندی، جبر وتشدد اور ظلم وبربریت کا مظاہرہ حکومت کی طرف سے ہوا۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ لال مسجد کے المناک سانحے کی بھرپور عدالتی تحقیقات کا اہتمام کرے اور معصوم جانوں کے قتل عام کے اصل ذمہ داروں کو عبرتناک سزا دی جائے۔ انہوں نے کہا کہ آیئے راہ حق میں شہیدوں کے خون سے وفا کی خاطر اور اپنے رب سے وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گناہوں سے اجتماعی توبہ کریں، آئندہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کاربند ہو جائیں، اپنے ملک میں نفاذ شریعت کے لئے عملی جدوجہد کی خاطر نبی اکرم ﷺ کی سیرت وسنت کی روشنی میں اجتماعی جدوجہد کا آغاز کریں اور ایک منظم disciplined جماعت بن کر سرخرو ہو سکیں۔ مظاہرے کے اختتام پر امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے اجتماعی دعا کروائی اور اس طرح پرامن انداز میں مظاہرہ اختتام پذیر ہوا۔

# لال قلعہ نہیں، لال مسجد ہی سہی

محمد عاطف بٹ

پولیس، رینجر، فوج اور دیگر اداروں کے اشتراک سے لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے خلاف ہونے والی بہیمانہ اور جارحانہ ''خاموش کارروائی'' ریاستی جبر، بربریت، ظلم اور استبداد کی بھیانک ترین اور بدترین مثال ہے۔ حیف صد حیف کہ اسلام آباد ہی اسلام کی بربادی اور بدنامی کے لئے کی جانے والی غیر ملکی سازشوں اور چیرہ دستیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار اور ایوان ہائے اقتدار و اختیار میں بیٹھے کذب و افترا کے ماہروں کی تمام تر غلط بیانیوں کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس کارروائی میں سینکڑوں معصوم لوگ جاں بحق ہوئے ہیں۔ اس دل دہلا دینے والی خون آشام کارروائی کے دوران لال مسجد کے نائب خطیب مولانا عبدالرشید غازیؒ بھی مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ غیر جانبدار بالغ نظر حلقوں کا کہنا ہے کہ غازی عبدالرشید اور معصوم طلبہ و طالبات کی شہادت سے ایک ''مخصوص ٹولہ'' اپنے کچھ ''مقاصد'' حاصل کرنا چاہتا تھا، سو اس نے یہ سارا خونی کھیل رچایا۔

چلئے، مبارک ہو ہمارے نیکر لور، اعتدال پسند اور روشن خیال ٹولے کو کہ اس نے اپنے استعماری آقاؤں کے ایک اور حکم پر بحسن و خوبی عمل کیا۔ اس کارروائی ''کامیابی'' کا سہرا تو بہر طور وردی کی کھال والے صدر محترم ہی کے سر ہے، جو اپنے پیر و مرشد جارج بش کی خوشنودی کے لئے کوئی بھی ''کارِ نمایاں'' انجام دینے کو وقت تیار رہتے ہیں۔ صدر صاحب ''روشن خیالی'' اور ''اعتدال پسندی'' کے خلاف بولنے والوں سے جس لب و لہجے میں بات کرتے ہیں، اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر ان کی کھال وردی کی ہے تو زبان یقیناً اس دھات کی بنی ہوگی، جس کے بلے اس وردی پر سجائے جاتے ہیں۔ مذکورہ کارروائی کے دوران جنرل Cum صدر صاحب سیلاب زدگان کی ''امداد'' کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں انہوں نے میڈیا کے سامنے جس کبر و نخوت کے آثار چہرے پر لائے اور لہجے میں پیدا کرتے ہوئے لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں مقیم اہل اللہ کو دھمکی دی، اسے دیکھ اور سن کر ایسا لگتا تھا جیسے ان میں ارواحِ فراعنہ حلول کر چکی ہیں، مگر دوسری جانب بھی مولانا غازی عبدالرشید شہیدؒ ایسا جری، بلند ہمت، اولوالعزم، نڈر اور بے باک مجاہد فی سبیل اللہ تھا کہ اس نے للکارا:

فرعون کے لہجے میں ہم سے بات نہ کر
ہم تو پاگل ہیں خداؤں سے الجھ جاتے ہیں

یار لوگوں کا تو کہنا ہے کہ تین جولائی کو اس کارروائی کا آغاز کر کے ہم نے انکل سام کو آزادی کی سالگرہ کا تحفہ پیش کیا تھا اور اسی تحفے کی شاباشی کے طور پر اس نے ہمیں دو ایف سولہ طیارے دیئے ہیں اور دس طیارے اگلے برس دینے کا وعدہ کیا ہے، تاکہ ہم اپنے ہی بھائیوں کا مزید خون بہا کر اس کے وحشیانہ ارادوں کو مستحکم اور اس کی فطری درندگی اور حیوانیت کے لئے سامان راحت و تسکین مہیا کر سکیں۔ کارروائی کے آغاز سے قبل، اس کے دوران اور بعد میں حکومتی بزرجمہران یہی راگ الاپتے ہوئے دکھائی دیئے کہ حکومت خون خرابہ نہیں چاہتی مگر ان کے جملہ مئی برکذب بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کوئی بھی عقل و خرد رکھنے والا انسان اس بات سے انکار و انحراف نہیں کر سکتا کہ وفاقی دارالحکومت میں دس روز تک

**لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف کارروائی ریاستی جبر، بربریت، ظلم اور استبداد کی بھیانک ترین اور بدترین مثال ہے۔ حیف صد حیف کہ اسلام آباد ہی اسلام کی بربادی اور بدنامی کے لئے کی جانے والی غیر ملکی سازشوں اور چیرہ دستیوں کا مرکز بنا ہوا ہے**

کوفیوں کا کردار ادا کرنے میں ان حضرات نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ایک وزیر بے تو قیر جب اس کارروائی کے آغاز کے حوالے سے پریس کانفرنس کر رہے تھے تو ان کے مکروہ چہرے سے ٹپکتی مغرورانہ اور منافقانہ مسرت کو دیکھ کر ہمیں مصطفیٰ زیدی کے یہ الفاظ یاد آ رہے تھے:

آج تم رام کے ونس، نہ ہنومان کے دوست
تم نہ الحاد کے داعی ہو نہ ایمان کے دوست
تم نہ کافر کے ثنا خواں نہ مسلمان کے دوست
تم نہ اشلوک کے حامی ہو نہ قرآن کے دوست
تم تو سکوں کی لپکتی ہوئی جھنکاروں میں
اپنی ماؤں کو اٹھا لاتے ہو بازاروں میں

نفس الامر یہ ہے کہ یک پنتھ دو کاج کے مصداق ہمارے حکمران کو اس ایک کارروائی سے کئی واضح اور چند پوشیدہ مقاصد حاصل کرنا تھے۔ ملک بھر میں ملعون رشدی کے خلاف ہونے والے جلسے جلوسوں نے حکومتی عہدیداروں کی ناک میں دم کر رکھا تھا اور اس سے ان کے آقاؤں کو بھی خاصی تکلیف پہنچ رہی تھی، سو دیکھ لیجئے کہ اس آپریشن کے دوران اور اس کے بعد کے عرصے میں کسی زبان سے ملعون رشدی کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی۔ عدلیہ کی آزادی کی جنگ لڑنے والے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے حکمرانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھی، لیکن مجال ہے اس عرصے میں کسی نے اس مرد حق گو کے بارے میں سوچا بھی ہو۔ دو صوبوں میں سیلاب سے متاثرہ 25 لاکھ سے زائد لوگوں کی چیخ و پکار اقتدار کے ایوانوں کے سکوں میں خلل ڈال رہی تھی مگر اس دس روزہ کھیل میں گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور گولوں کی گھن گرج نے اس آہ و بکا کو عوام کے کانوں تک ہی نہ پہنچنے دیا۔ اگر دیومیت کے لیے نوبل انعام ملنے لگیں تو یہ بات بلاخوف تردید و اشتباہ کہی جا سکتی ہے کہ اس کی ریکارڈ توڑ مستحق ہماری وفاقی کابینہ ہوگی۔

امسال جنگ آزادی 1857ء کی ڈیڑھ سوویں سالگرہ ہے، جس کے حوالے سے مئی میں پڑوسی ملک نے تقریبات کا اہتمام بھی کیا تھا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم پر ایسے لوگ مسلط ہیں، جو آباء و اجداد کی روایات کو فراموش کر کے ان استعماری لٹیروں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، جن کے خلاف لڑتے ہوئے ہزاروں آزادی کے متوالوں نے جام ہائے شہادت نوش کئے تھے۔ ہم اپنے ازلی دشمن سے اس کی ریشہ دوانیوں کا بدلہ لیتے ہوئے باپ دادا کی نشانی لال قلعہ تو حاصل نہیں کر سکے، ہاں لال مسجد کا کنٹرول ضرور سنبھال لیا ہے۔ بال ٹھاکرے اور ملعون رشدی ایسے نظفہ ہائے ناتحقیق کا سر تو ہم قلم نہیں کر پائے مگر مولانا عبدالرشید غازیؒ ایسے نفس مطمئنہ کا سینہ گولیوں سے ضرور چھلنی کر دیا ہے۔ اسلام کے قلعے میں بسنے کے باوجود ہم اس دین مبین کے شعائر و اقدار کی حفاظت تو نہیں کر پائے لیکن مغربی آقاؤں کے احکامات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہم نے اس دین کے نام لیواؤں کو تماشا ضرور بنا کر رکھ دیا ہے۔ ستم و تعدی کی یہ داستان رقم کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ''ظلم کی ڈالی پر راحت کے پھول نہیں کھلا کرتے۔''

ذہن پر خوف کی بنیاد اٹھانے والو
ظلم کی فصل کو کھیتوں میں اُگانے والو
گیت کے شہر کو بندوق سے ڈھانے والو
فکر کی راہ میں بارود بچھانے والو
کب تک اس شاخ گلستاں کی رگیں ٹوٹیں گی
کونپلیں آج نہ پھوٹیں گی تو کل پھوٹیں گی

# آپریشن سائلنس: قانون کیا کہتا ہے؟

آصف محمود

آپریشن سائلنس قانون کی عملداری کے لئے کیا گیا ہے ناں!! تو کیوں نہ اس آپریشن کا قانونی جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے، کیا یہ آپریشن بذات خود قانون کے مطابق تھا؟

بات آئین سے شروع کرتے ہیں۔

آرٹیکل 4 کا کہنا ہے کہ ہر شہری کا حق ہے، اسے قانونی تحفظ دیا جائے اور اس کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے۔ اس آرٹیکل میں شہری کی وضاحت کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ Where ever he may be یعنی وہ جہاں بھی ہو چاہے وہ لال مسجد میں ہی کیوں نہ ہو، اس کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ اب یہ سوچنا معاشرے اور بالخصوص اہل قانون کا کام ہے کہ لال مسجد میں بے گناہ بچوں اور عورتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، کیا وہ قانون کے مطابق تھا؟

آرٹیکل 9 کے مطابق قانون میں وضع کردہ طریق کار کے برخلاف کسی آدمی کو اس کی زندگی سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ قانون یہ طریق کار بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ اس طریق کار کے مطابق آدمی پر مقدمہ چلے گا، اسے اپنے دفاع کا پورا حق دیا جائے گا اور پھر عدالت قانون کے مطابق فیصلہ دے گی، پھر اس فیصلے پر ملزم کو اپیل کا حق ہوگا۔ اس کے بعد بھی اگر سزا برقرار رہتی ہے تو اسے مار دیا جائے گا۔ اپیل کے فورم پر قانون دان خاصے حساس ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگر اپیل کا کوئی ایک فورم چھین لیا جائے تو یہ غیر قانونی طریق کار ہوگا۔ بھٹو کیس میں چونکہ مقدمہ براہ راست ہائی کورٹ میں چلا تھا، اس لئے بعض قانون دان کہتے ہیں کہ بھٹو سے اپیل کا ایک فورم چھین لیا گیا تھا۔ بھٹو کو سیشنز کورٹ سے سزا ملتی تو اس نے ہائیکورٹ میں اپیل کرنا تھی، مگر یہاں تو مقدمہ ہی ہائیکورٹ میں چلا اور یوں بھٹو ایک اپیلٹ فورم سے محروم ہو گئے۔ اب لال مسجد میں کیا ہوا؟ اس قانونی طریق کار کا کون سا پہلو یہاں نافذ کیا گیا؟ صدر پرویز مشرف کی جانب سے یہ کہنا کہ باہر آ جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے، کیا قانونی وارننگ ہے؟ کیا قانون صدر مملکت کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اس طرح کی گفتگو کریں؟ وزیر تعلیم نے اگلے روز کتنے آرام سے فرما دیا کہ جی ہاں کچھ کولیٹرل ڈیمج ہوا ہے۔ انسانی جان کی حرمت کیا صرف اتنی سی ہے کہ مغرب سے درآمد شدہ ایک بے ہنگم اصطلاح استعمال کر کے اسے پامال کر دیا جائے؟

اسی طرح یہ بھی دیکھنا ہوگا Use of force یعنی طاقت کا استعمال کس حد تک جائز ہوتا ہے۔ یہ بات قانون کی دنیا میں طے شدہ ہے کہ اگر ملزم بھاگ رہا ہے، گرفتاری نہیں دے رہا تو طاقت کا صرف اس حد تک استعمال ہو سکتا ہے کہ وہ زخمی ہو کر گرفتاری دے دے۔ اس کی جان نہیں لی جا سکتی۔ جان صرف وہاں لی جا سکتی ہے، جہاں مجرم ایسے مقدمے میں سزا یافتہ ہو جس کی سزا موت ہو۔ بعض لوگ ایسے ملزم کو بھی اسی تناظر میں دیکھتے ہیں لیکن یہ جو لال مسجد میں طاقت کا استعمال ہوا ہے یہ کیا ہے؟ کیا یہ طاقت کا قانونی استعمال ہے کہ لاشیں گراتے جاؤ، یہاں تک کہ گنتی ناممکن ہو جائے؟ کیا لال مسجد والوں کا جرم اتنا سنگین تھا کہ ان کو ختم کئے بغیر رٹ آف دی گورنمنٹ کو چین نہیں آ رہا تھا؟ اتنی جلدی کیا تھی؟ کیا لال مسجد والے ہر گھنٹے کے بعد ایک آدمی کو قتل کر کے باہر پھینک رہے تھے کہ انسانی جانوں کے تحفظ کے لئے ایکشن ضروری ہو گیا تھا؟ کیا ایک قطعہ اراضی کو واگزار کرانا اتنا اہم تھا کہ اس کے لیے سینکڑوں معصوم لوگوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا گیا؟

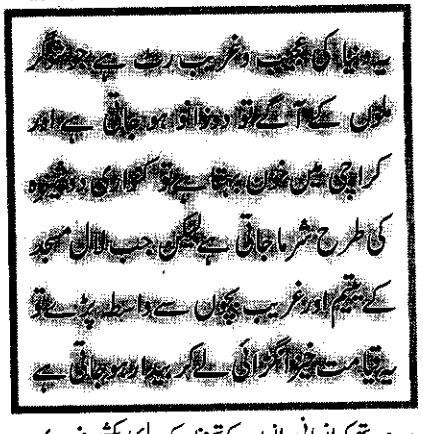

> یہ دنیا کی عجیب وغریب رٹ ہے جو شوگر ملوں کے آگے تو دوزانو ہو جاتی ہے اور کراچی میں خون بہتا ہے تو کنواری دوشیزہ کی طرح شرما جاتی ہے لیکن جب لال مسجد کے یتیم اور غریب بچوں سے واسطہ پڑے تو یہ قیامت خیز انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی ہے

جہاں آرٹیکل 4 میں قانون کے مطابق Treatment کی بات کی گئی ہے وہیں آرٹیکل Protection oflaw کی بات کرتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہیں اور برابر قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔ اب ایک جہاز ہائی جیک ہوتا ہے تو طوفان کھڑا ہو جاتا ہے اور ہائی جیکرز کے مطالبات مان لئے جاتے ہیں۔ ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ لیکن جب لال مسجد کے طلبہ پر بات آتی ہے تو باوجود اس کے کہ حکومت کا موقف یہ ہوتا ہے کہ اندر بچے یرغمال ہیں، حکومت مولانا غازی کو سیلف چیک نہیں دیتی۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اندر موجود بچے دور دراز کے علاقوں کے غریب غرباء کی اولادیں تھیں، جن کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہوتی، اگر اس طرح کل کوئی آدمی فروبلز انٹرنیشنل یا کسی بڑے ادارے کے ان بچوں کو یرغمال بنا لے جن کی ولدیت کے خانے میں بڑے بڑے لوگوں کے نام ہوں تو کیا وہاں بھی حکومت اس طرح اپنی رٹ قائم کرے گی؟ یہ دنیا کی عجیب وغریب رٹ ہے جو شوگر ملوں کے آگے تو دوزانو ہو جاتی ہے اور کراچی میں خون بہتا ہے تو کنواری دوشیزہ کی طرح شرما جاتی ہے لیکن جب لال مسجد کے یتیم اور غریب بچوں سے واسطہ پڑے تو یہ قیامت خیز انگڑائی لے کر بیدار ہو جاتی ہے۔

آرٹیکل 190 کہتا ہے کہ

All Executive and judicial authqrities throughout Pakistan shall act in aid of the supreme court

تو کیا یہ Act in aid of the supreme court تھا کہ ادھر سپریم کورٹ نے معاملے کا از خود نوٹس لیا اور ادھر لال مسجد لال ہو گئی۔ سپریم کورٹ کی طرف سے معاملے کا از خود نوٹس لینے کے بعد اس کارروائی کا کیا جواز بنتا تھا؟

ایک عمر سنائیں تو حکایت نہ ہو پوری
اِک روز جو میں ہم پہ یہاں بیت گئی ہے

(بشکریہ روزنامہ ''جناح'')


## ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں مقیم فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 29 سال، تعلیم ایم کام۔ اے سی ایم اے، دراز قد، سرکاری ادارے میں گریڈ 17 میں آفیسر کے لئے دینی مزاج کی حامل فیملی سے موزوں رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0321-4159008 042-7282642


## دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی تیمر گرہ کے مبتدی رفیق جناب اسرار عالم نثار پچھلے ایک ہفتے سے بیمار ہیں۔ قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہیں۔

## دعائے مغفرت کی اپیل

☆ حلقہ سرحد شمالی کی مقامی تنظیم خار کے ناظم بیت المال جناب گل محمود کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ تنظیم اسلامی پشاور کے امیر جناب خورشید انجم کی خالہ بقضائے الٰہی وفات پا گئیں۔

رفقاء و احباب سے مرحومات کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

# کیا کمانڈوز بھی روئے ہوں گے؟

عبداللہ منتظر

مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ پاک فوج کے کمانڈوز نے لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے محصورین پر کس طرح گولیاں برسائی ہوں گی، کیا ان کے دل لرزے ہوں گے، لمبی پر انگلیاں کسی بھی مرحلے پر کپکپائی ہوں گی..... جب انہیں یہ حکم ملا ہوگا کہ اندر موجود ہر ذی روح کو بھون دینا ہے تو ان کے ذہن میں فوری طور پر کیا خیال آیا ہوگا..... خوف خدا..... یا..... جذبہ انتقام۔ کیا آپریشن میں حصہ لینے والے 164 کمانڈوز اپنے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل ہارون اسلام کے قتل کے باعث اس قدر بپھرے ہوئے تھے کہ ہر حد پار کرنے پر تل گئے..... یا انہوں نے احکامات کی من و عن تعمیل کی..... میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ کمانڈوز انسان ہوتے ہیں یا انسان نما روبوٹ..... جو حکم کی تکمیل کرتے ہیں اور بس..... غم اور خوشی کے احساسات سے بے نیاز..... لیکن میری نظروں کے سامنے وہ تصویر آجاتی ہے جس میں ایک کمانڈو چہرے پہ مسکراہٹ سجائے وکٹری کا نشان بنا رہا ہے..... یعنی کمانڈوز خوش بھی ہوتے ہیں اور غمگین بھی.....

پھر خیال آتا ہے کہ کیا انسانی لاشوں کے ڈھیر پہ کھڑے کسی کمانڈو کی آنکھیں بھیگی ہوں گی..... کیا بلیک بورڈ پر ننھے ہاتھوں سے لکھا ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ کسی کمانڈو کے دل میں تیر کی طرح چبھا ہوگا اور اس نے یہ سوچا ہوگا کہ میں نے جن کی لاشیں گرائیں وہ بھی میری طرح پاکستان سے محبت کرتے تھے۔ پاکستان کے دشمن نہ تھے..... جب آپریشن شروع ہوا تو کہا جا رہا تھا کہ اندر عورتیں اور بچے یرغمال ہیں..... کمانڈوز نے اس بارے میں کیا سوچا ہوگا..... ان عورتوں اور بچوں کو بچانے کی کیا تدابیر اختیار کی ہوں گی..... سوچتا ہوں کیا کسی کمانڈو نے کسی طالبہ پہ گولی چلائی ہوگی..... دل نہیں مانتا، لیکن اخبارات دہائیاں دے رہے ہیں کہ طالبات کی لاشیں گندے نالے سے بھی ملیں..... پھر میں ساڑھے تین سو خواتین اور نوجوان طالبات کی لاشیں لائی گئی تھیں..... میں پھر سوچتا ہوں کیا کسی کمانڈو نے کسی عورت پہ گولی چلائی ہوگی..... دل پھر نہیں مانتا کیونکہ کمانڈوز..... اور وہ بھی پاک فوج کے کمانڈوز..... وہ بہادر ہوتے ہیں..... جری اور دلیر ہوتے ہیں..... وہ عورتوں اور بچوں پہ کس طرح گن اٹھا سکتے ہیں..... پھر خیال آتا ہے کہ کمانڈوز تو نہتے لوگوں پر بھی ہاتھ نہیں اٹھاتے..... تو کیا لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے اندر محصور سب لوگ مسلح تھے..... کیا ہمارے کمانڈوز نے کسی بھی نہتے شخص کو گولی نہیں ماری..... کیا کروں ذہن میں پھر وہی سوال آتا ہے کہ..... طالبات پر گولیاں نہ چلائی گئی ہوں تو اچھی بات لیکن اگر کمانڈوز نے طالبات پر بھی گولیاں چلائی تھیں تو اس لمحے وہ کیا محسوس کر رہے تھے..... آپریشن کے دوران اندر محصور طالبات اور بچوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں کمانڈوز کو کیسی لگی ہوں گی..... بھلی..... خوفناک..... یا رلا دینے والی..... کیا کسی چیختی چلاتی لڑکی کو چپ کرانے کے لئے..... ہمیشہ کے لئے چپ کرانے کے گولی چلائی گئی ہوگی..... اور اگر چلائی گئی تو گولی چلانے والے کی نگاہوں میں اس کی اپنی بہن..... بیوی..... بیٹی..... یا پھر ماں کی تصویر گھومی ہوگی..... یا گولیوں اور دھماکوں کی گن گرج میں کسی کو کوئی ہوش نہ تھا ماسوائے ہر زندہ چیز سے زندگی چھیننے کے..... میں آپریشن میں حصہ لینے والے کمانڈوز کی سوچوں کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں..... لیکن ہر بار پیچھے رہ جاتا ہوں..... کیونکہ میں تو چیونٹی کو بھی نہیں مارتا..... کہیں پانی میں ہاتھ پاؤں مارتی چیونٹی نظر آجائے تو کام کاج چھوڑ کر اُسے اس مشکل سے نکالنے میں لگ جاتا ہوں..... شاید بہت بزدل ہوں..... کسی کی زندگی چاہے وہ حشرات الارض میں سے ہی کیوں نہ ہو، لینے کی ہمت نہیں رکھتا..... شاید اسی لئے نہ میں کمانڈو بن سکا اور نہ کمانڈوز کی طرح سوچ پا رہا ہوں..... بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور اقتدار میں بچوں کی سکول بس کے اغوا کا واقعہ ہوا تھا..... اغواء کار افغان تھے..... غالباً پانچ تھے اور سب کے سب کمانڈو آپریشن میں مارے گئے تھے۔ آپریشن کرنے والی کمانڈو ٹیم کے لیڈر جہلم کے نواح میں ایک گاؤں کے رہنے والے شمشاد احمد تھے..... ریٹائرمنٹ کے بعد مقبوضہ کشمیر میں جہاد کے دوران شہید ہو چکے ہیں..... انہوں نے بتایا تھا کہ ان اغوا کاروں کو زندہ پکڑا جا سکتا تھا..... ہم نے یہ بات اوپر بتا دی، لیکن بے نظیر کا پیغام آیا کہ ہر صورت انہیں قتل کرنا ہے۔ چنانچہ اغوا کار قتل کر دیئے گئے..... مرنے سے پہلے وہ سب کلمے پڑھ رہے تھے..... ایک زخموں سے کراہ رہا تھا..... روح نکلنے میں دشواری ہو رہی تھی..... شمشاد احمد نے ہمدردانہ فائر (Mercy Fire) کر کے اس کی مشکل آسان کر دی..... سوچتا ہوں لال مسجد کمانڈو آپریشن کے دوران کتنے ہمدردانہ فائر کیے گئے ہوں گے..... اور ''ہمدردانہ فائر'' نصیب ہونے سے پہلے زخمیوں کے کراہنے اور کلمے پڑھنے کی آوازوں نے ''ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ'' کی مانو والی والی فوج کے کمانڈوز کے دل و دماغ پر کیا اثرات مرتب کیے ہوں گے..... کیا اب بھی یہ تڑپتے لاشے کمانڈوز کے خوابوں میں آ کر انہیں جگا دیتے ہوں گے..... یا نہیں ان مناظر کے باعث نیند ہی نہیں آتی ہوگی..... سوالوں کا ایک متلاطم دریا ہے جو میرے ذہن میں بہتا چلا جاتا ہے..... میں ایک کمانڈو کی طرح گن لے کر جامعہ حفصہؓ پر چڑھائی کرنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ ان احساسات اور محسوسات کو سمجھ سکوں جو حملے کے وقت 164 کمانڈوز کے تھے لیکن میرے سامنے آنسوؤں کی دیوار کھڑی ہو جاتی ہے..... میں ہتھیار رکھ دیتا ہوں اور اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرتا ہوں..... پلکیں بھیگ جاتی ہیں لیکن لوگوں کے سامنے رو نہیں سکتا..... دل میں آگ سی لگ جاتی ہے..... لیکن جب کوئی پاس نہ ہو تو پھوٹ پھوٹ کے روتا ہوں..... بچوں کی طرح..... لیکن پھر اس خیال میں کھو جاتا ہوں..... کیا کوئی کمانڈو بھی رویا ہوگا..... تب نہ سہی اب ہی سہی..... !! کیا کمانڈوز کے سینوں میں فولاد کے دل ہوتے ہیں..... ایک ہلکی سی امید..... سوچ..... یا پھر خواہش کہہ لیں..... نہ جانے کیا ہے کہ میرا دل کہتا ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں قتل عام پر یہ کمانڈوز بھی خوب روئے ہوں گے کہ ساری قوم جو رو رہی ہے..... اور یہ بھی تو قوم کے بیٹے..... ڈھول سپاہی ہیں..... ضرور روئے ہوں گے..... ہاں روئے ہوں گے مگر ایک دوسرے سے چھپ کر..... اگر اب تک نہیں روئے تو ضرور روئیں گے..... جامعہ حفصہ کے قتل عام پر نہ سہی..... اللہ کوئی اور سبب بنا دے گا کیونکہ اس سانحے پر تو سب کو رونا ہے..... جو آج نہیں روئے وہ کل ضرور روئیں گے..... !

اور ہاں ایک اور خواہش کہ..... کاش اس آپریشن میں حصہ لینے والا کوئی کمانڈو ساری کہانی لکھ بھیجے..... جیسے عراق میں امریکی فوجی اپنے حالات لکھ بھیجتے ہیں اور ان حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیتے ہیں جنہیں امریکی حکومت اور فوج چھپانا چاہ رہی ہوتی ہے..... کل تو یہ کہانی ضرور منظر عام پر آئے گی لیکن وہ قصۂ ماضی ہوگا..... ضرورت تو آج ہے کہ قوم کو کسی طرح پتہ چل جائے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں اس کی بہو بیٹیوں پہ کیا گزری..... کاش..... !!!

# لال مسجد کا نوحہ

امجد اقبال ساجد

بھلے وقتوں کی بات ہے کہ میرے چاہنے والے مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرا ایک وقار تھا۔ میں مسلمانوں کی تمام دینی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ لشکرِ اسلام کو تشکیل یہیں دیا جاتا تھا۔ قضا کے فیصلے یہیں سے صادر ہوا کرتے تھے۔ میرا معاشرے میں بہت مقام تھا حتیٰ کہ کائنات کے سب سے ارفع و اعلیٰ انسانؐ نے اپنے ہاتھوں میری ایک بزرگ ترین بہن کو تعمیر فرمایا، نہ صرف تعمیر فرمایا بلکہ ہم بہنوں کی بڑی شان بیان فرمائی۔ خلفائے راشدین، خلفائے امویہ، عباسیہ ان سب نے ہمیں زیب و زینت بخشی۔ وقت نے جست لی اور اسلام پھیلتے پھیلتے برعظیم میں آ پہنچا۔ یہاں مسلمان، سکھ اور ہندو پر مشتمل مخلوط معاشرہ تھا، مگر اس مخلوط معاشرے میں بھی میرے چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔ اگر کوئی رذیل مجھے مذاق اور توہین کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتا تو اُسے اینٹ کا جواب پتھر سے ملتا۔ میرے چاہنے والے ایسے بدباطن کو نشانِ عبرت بنا دیتے۔ وقت کے ہاتھوں لمحوں کی ریت کچھ اور پھسلی، برعظیم کی تقسیم عمل میں آئی۔ جہاں میرے چاہنے والے شادماں تھے، وہیں میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ تھا۔ مجھے کیوں خوشی نہ ہوتی جبکہ ایک خطے میں میرے چاہنے والے اپنے پیدا کرنے والے کا نظام نافذ کرنے والے تھے..... مگر ہائے افسوس کہ اس اسلامی مملکت کے بیرونی رابطہ کے لیے جس کو وزیر نامزد کیا گیا، وہ اس ملک اور اسلام کا بہت بڑا غدار تھا اور اُس نے ہر موقع پر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا.....

میں تذکرہ کر رہی تھی کہ اسلامی مملکت کے قیام سے میرے قرب و جوار میں بھی میری کئی بہنوں نے جنم لیا۔ کچھ عرصہ تو ہم بہنیں فرحاں و آباد رہیں لیکن جلد ہی میرے چاہنے والوں کو 'روشن خیالی' نام کے ایک موذی وائرس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہماری محبت، چاہت اور عظمت لوگوں کے دلوں سے نکلنا شروع ہو گئی۔ ہمارے اور ہمارے چاہنے والوں کے مابین ایک رسمی سا تعلق رہ گیا، جس کو وہ جمعہ کے جمعہ نبھانے آ جاتے ہیں۔

ایک وقت آیا کہ پڑوسی ملک میں ہماری ایک بزرگ بہن کو نہایت بے دردی سے ہمارے دشمنوں نے شہید کر دیا، اس پر میرے چاہنے والوں نے جس شد و مد سے احتجاج کیا اُس نے میرے اندر اُمید کی ہلکی سی کرن پیدا کر دی۔ لیکن ہائے افسوس! کہ یہ احتجاج صرف اور صرف وقتی تھا۔ میرے چاہنے والے اپنی ہی املاک کو نقصان پہنچا کر لمبی تان کر سو گئے۔ دشمن کا کچھ نہ بگڑا۔ ہماری بہن لاوارث تڑپتی، سسکتی اور بلبلاتی رہی اور میرے چاہنے والے اسی کی لاش پر اپنے بیانات کے ردّے چڑھاتے رہے۔

یہ تو دشمنوں کا ہمارے ساتھ سلوک تھا، لیکن میرے چاہنے والوں کا عمل بھی ان دشمنوں سے مختلف نہ تھا۔ میری کئی بہنیں کبھی نہروں کی توسیع کی آڑ میں تو کبھی اسٹیشن کی کشادگی کی آڑ میں شہید ہوتی رہیں۔ اس سفاکانہ عمل پر بھی ہمارے چاہنے والوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ روشن خیالی کے وائرس نے پوری طرح انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ہمارے اندر آج بھی یوں تو اذانیں بھی ہوتیں ہیں مگر ان میں روحِ بلالیؓ نہیں ہے۔ میرے چاہنے والے اپنی پیشانی کو رب کے سامنے جھکاتے ہیں مگر اُن کے سجدوں میں وہ تڑپ نہیں جو اِن کی زندگیوں کا رُخ رسمی اسلام سے حقیقی اسلام کی طرف موڑ سکے۔

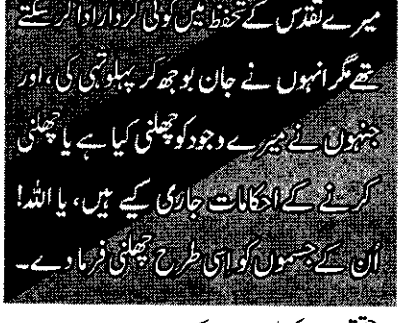


میرے چاہنے والوں کا یہ طرزِ عمل جاری تھا کہ یکا یک ہم بہنوں پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ اسلام کے نام پر حاصل کی گئی مملکت کے دارالحکومت اسلام آباد..... جی ہاں 'اسلام' آباد سے ہماری جلاوطنی کے آرڈر جاری کر دیئے گئے، آناً فاناً میری کئی بہنوں کو پیوندِ خاک کر دیا گیا۔ مزید اسّی (80) بہنوں کے قتلِ عام کے آرڈر جاری کر دیئے گئے..... کیا قیامت تھی کہ اسلام آباد سے اسلام کا بنیادی شعائر ختم کیا جا رہا تھا مگر اپنے استحقاق کے مجروح ہونے پر واویلا کرنے والے اراکینِ اسمبلی چپ کی بُکل میں منہ چھپائے کھڑے رہے..... ہاں چند ایک کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے قرارداد پیش کی تھی مگر کیا ایک آدھ قرارداد ہی اس مسئلہ کا حل تھی؟ چند ایک یہ کہہ کر سُرخرو ہونے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ ہم نے دوبارہ تعمیر کے آرڈر جاری کر دیئے یا کروا دیئے، مگر کیا اب تک میری بہنوں کی تعمیر ہوئی؟ یقیناً نہیں اور نہ ہی فرعونِ وقت کی یہ پالیسی ہے۔ ان حالات میں ایک غازی اُٹھا، سٹینڈ لیا کہ میری بہنوں کو فی الفور تعمیر کیا جائے۔ مزید قتلِ عام کے جو آرڈرز دیئے گئے ہیں، وہ کالعدم قرار دیئے جائیں۔ ایسے آرڈرز جاری کرنے والے کے خلاف کارروائی کی جائے۔ اس کی اس اپیل کو شروع میں مذہبی ایوانوں نے پذیرائی بخشی لیکن حکومتی موقف میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اُس غازی کے طرزِ عمل میں شدت پیدا ہوئی تو حکومتی ایوانوں سے لے کر مذہبی مسندوں تک سب ہی اُسے مطعون کرنے لگے۔ اُس کی اس شدت پسندی پر چہ میگوئیاں کی گئیں، مگر اُس کے موقف کو کسی نے سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ ''یارو! اسلام آباد سے اسلام کو..... جی ہاں! اسلام کو جلاوطن کیا جا رہا ہے، اِس کے سدِ باب کے لیے میرا ہاتھ بٹاؤ'' اُس کے اِس غیر لچک دار رویہ کی وجہ سے اُسے ہٹ دھرم، انتہا پسند، خود غرض حتیٰ کہ ایجنسیوں کا آلہ کار تک کہا گیا۔ یہ سارے الزامات سُن کر بھی وہ اپنی بات پر قائم رہا۔ اُس کا موقف تھا کہ مجھے زبانی وعدوں اور کھوکھلی یقین دہانیوں پر اعتماد نہیں، اگر تم اپنے دعوے میں مخلص ہو تو کعبہ کی شہید بیٹیوں کو مکمل تعمیر کرو، مزید اسّی (80) کے قتلِ عام کے آرڈر واضح اور غیر مشروط طور پر واپس لو، آئندہ ایسے اقدامات نہ کرنے کی گارنٹی دو، مجھے تب یقین آئے گا..... مگر اُس کی اِس بات کو اُس کی ضد قرار دے کر میری چاہت کے دعوے داروں نے اُسے ختم کرنے کے لیے مجھ پر..... جی ہاں!..... ''میں جو کعبہ کی بیٹی تھی، مجھ پر دھاوا بول دیا۔ صدمے کی بات یہ تھی کہ میرے ہی تقدس کی بحالی کا دعویٰ کر کے مجھے چھلنی کر دیا گیا..... روشن خیالی کے مہلک جراثیم سے آلودہ افراد نے میرے چاہنے والوں کے لہو سے میرے در و دیوار کو غسل دے دیا۔

اس سارے عمل میں حیرت ناک بات یہ تھی کہ میرے اُن چاہنے والوں نے بھی میرے تحفظ کے لیے کوئی عملی کوشش نہ کی جو اِس قسم کا مؤثر کردار ادا کر سکتے تھے۔ جبہ و دستار کے حامل لوگوں نے بھی اپنے بچوں، بچیوں اور اپنے بھائی بندوں کو بچانے کے لیے تو مذاکرات کا ڈول ڈالا، احتجاج کا راستہ بھی اختیار کیا، معصوم جانوں کے تحفظ کے لیے یہ بجا طور پر ایک مستحسن اقدام تھا..... مگر ہائے افسوس! اس شور میں کوئی نہ تھا جو میری سسکیاں اور آہیں بھی سنتا، ان میں سے کوئی نہ تھا جو میری طرفداری کرتا۔ اپنے مفاد کی خاطر ایک ڈکٹیٹر تک کو قبول کرنے والوں میں سے کسی نے یہ جھولی نہیں پھیلائی کہ خدارا کعبہ کی بیٹی کے تقدس کا خیال رکھا جائے، اِسے بے آبرو نہ کیا جائے۔ میں سسکتی رہی، تڑپتی رہی کہ کاش کوئی تو میری بات کرنے والا

بھی ہو..... معمولی ایشوز پر آپس میں تعاون کرنے والے میرے تقدس کو بچانے پر متفق نہ ہو سکے۔ قوم سے جماعتوں، جماعتوں سے دھڑوں اور دھڑوں سے شخصیات میں بٹے لوگ اسلام کے اوّلین شعائر کے تقدس کو بچانے کے لیے قابل عمل حل پیش نہ کر سکے..... ان میں سے بعض بدبخت تو میری شہادت پر..... جی ہاں! کعبہ کی بیٹی کی شہادت پر قاتلوں کو مبارکباد کے پیغام بھیج رہے تھے..... آخر کار وہ وقت آیا کہ میرے وجود کو جدید اسلحہ سے چھلنی کر دیا گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن..... میں..... کعبہ کی بیٹی..... کہ جس کے در و دیوار سے رب کی کبریائی کا اعلان ہوتا تھا، حدیث رسولؐ کے زمزمے پھوٹتے تھے، آج اس حد تک ویران ہے کہ پانچ وقتہ نماز تو کجا آج جمعۃ المبارک کا دن ہے اور میرے اندر کوئی سجدہ کرنے والا نہیں، رب کی کبریائی کا اعلان کرنے والا کوئی نہیں..... یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ فرعونِ وقت اپنے مخصوص لوگوں کو اندر جا کر نمازِ جمعہ کی ادائیگی کرنے دیتا، عام آدمی کو بے شک اجازت نہ ملتی۔ مگر یہ تو تب ہی ممکن تھا جب کعبہ کی بیٹی کی عظمت دل میں ہوتی۔ فرض کی ادائیگی کا احساس ہوتا..... رب کے حضور پیش ہونے کا خوف ہوتا..... مگر یہ کیسے ممکن تھا جس دل میں بُش جیسے شیطان کا خوف سمایا ہوا ہو، وہاں رب کا خوف کہاں رہ سکتا ہے؟

اس ساری صورتِ حال میں بھی میرے چاہنے والوں کی بے حسی اور سنگدلی کا اندازہ لگائیے کہ..... احتجاج تو ہے لیکن میرے تقدس کے مجروح ہونے پر نہیں..... عدالتی تحقیقات کا مطالبہ بھی ہے مگر صرف اتنا کہ وہ کتنے تھے جن سے کعبہ کی بیٹی کو غسل دیا گیا۔ بہت زیادہ تھے مگر بہت کم بتائے جا رہے ہیں۔ اسلحہ اتنا نہیں تھا جتنا دکھایا جا رہا ہے..... اندر مرنے والے گنہگار تھے یا بے گناہ..... مسندِ فتاویٰ سے اُنہیں شہادت کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا گیا جبکہ ایوانِ اقتدار انہیں باغی گردان رہی ہے۔ اس قسم کے مطالبات اور اس قسم کی فضا میں کوئی نہیں جو میری مظلومیت پر آنسو بہائے۔ وطنِ عزیز کی بڑی عدالت کے بڑے جج نے بھی نوٹس لیا تو صرف اتنا کہ مرنے والوں کی تحقیقات کی جائیں..... مگر افسوس کہ میرے قاتلوں کے بارے میں کوئی فرمان جاری نہیں کیا گیا۔ میرا سینہ چھلنی کرنے والوں کے خلاف کوئی سوموٹو ایکشن نہیں۔

آج میں زخموں سے چور ہوں، آہوں اور سسکیوں کے درمیان میرے دل سے یہ بددُعا نکل رہی ہے ''اے اللہ! اُن لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرما جو میرے تقدس کے تحفظ میں کوئی کردار ادا کر سکتے تھے مگر انہوں نے جان بوجھ کر پہلوتہی کی، اُن کا تعلق چاہے انتظامیہ سے ہو یا عدلیہ سے، پرنٹ میڈیا سے ہو یا الیکٹرانک میڈیا سے، حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے، بی بیوں سے ہو یا بابوؤں سے..... اور جنہوں نے میرے وجود کو چھلنی کیا ہے یا چھلنی کرنے کے احکامات جاری کیے ہیں، یا اللہ! اُن کے جسموں کو اسی طرح چھلنی فرما دے۔ (آمین!) اے میرے رب! تجھ سے کچھ بعید نہیں بے شک تو سننے والا، جاننے والا اور زبردست ہے۔''

## بقیہ: اداریہ

غیر مشروط طور پر اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ ہم چیف جسٹس جناب افتخار محمد چودھری سے درخواست کریں گے کہ وہ اعلان کریں کہ اُن کی ذات کے حوالہ سے جو کچھ کہا گیا ہے اور اُنہیں جو ذہنی اذیت پہنچائی گئی ہے وہ اُسے مکمل طور پر فراموش کرتے ہیں اور وہ کوئی انتقامی کارروائی نہیں کریں گے، البتہ قوم اور ریاست کو نقصان پہنچانے والے اقدام پر فوری اور سخت ایکشن لیا جائے۔ خصوصاً 12 مئی کو کراچی میں پیش آنے والے واقعات اور لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف جو پُرتشدد اور وحشیانہ کارروائی کی گئی۔ علاوہ ازیں لاپتہ افراد کے مسئلہ پر مشرف حکومت جو عدلیہ سے مذاق کرتی رہی ہے، اِن تمام معاملات کی جوڈیشل انکوائری کروائی جائے اور مجرموں کو بلا امتیاز سخت ترین سزائیں دی جائیں۔ ہم اپوزیشن کو بھی یہ مشورہ دیں گے کہ اگر مشرف باعزت طریقے سے اقتدار سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہ ہوں تو وہ بحالیٔ جمہوریت کے لیے وکلاء کی تحریک کا حصہ بن جائے لیکن کسی بھی صورت اِس تحریک کو پُرتشدد نہیں ہونا چاہیے۔ وگرنہ ملک دشمن قوتیں فائدہ اُٹھائیں گی۔ اِس وقت دشمنوں نے وطنِ عزیز کے اردگرد بارود اور آگ کا حصار قائم کر دیا ہے۔ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دامن بچا کر اِس بارود کا رخ دشمن ہی کی طرف پھیر دیں اور یہ تبھی ممکن ہے اگر قوم متحد، متفق، یکسو اور یکجان ہو جائے۔ اور یہ بات تو ہم زندگی کے آخری سانس تک کہتے رہیں گے کہ پاکستان کا استحکام ہی نہیں پاکستان کی بقا کا راز بھی اسلامی نظام کے نفاذ میں مضمر ہے۔

## بقیہ: کالم آف دی ویک

نہ بم پھٹے، نہ فوج کو اپنے ہی علاقوں میں لشکر کشی کرنا پڑی، نہ سیکیورٹی فورسز کو نشانہ بنایا گیا، نہ 90 ہزار فوج ڈیورڈ لائن پر لگانا پڑی، نہ کئی ڈویژن فوج فاٹا اور سوات بھیجنا پڑی۔ طالبان نے افغانستان میں موجود 'را' اور خاد کے تمام تخریب کاری کیمپ اکھاڑ پھینکے۔ افغانستان نہ صرف بھارتی اثر و رسوخ بلکہ سارے پاکستان دشمن عناصر سے پاک ہو گیا۔ ملا محمد عمر کا کہنا تھا ''پاکستان ہمارا دوسرا گھر ہے۔ اگر اسے کوئی خطرہ لاحق ہوا تو جہاں پاکستانی بھائیوں کا پسینہ گرے گا، وہاں ہمارا خون گرے گا''۔ امن و آشتی اور خیر سگالی کا یہ ماحول تھا۔ جب نیویارک کے دو ٹاورز زمین بوس ہوئے۔ صدر مشرف نے کسی کو اعتماد میں لئے بغیر صرف ایک ٹیلی فون کال پر انتہائی عجلت میں ایک فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ اگر درست تھا تو بھی نہ اس کے تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لیا گیا اور نہ یہ طے کیا گیا کہ ''تعاون'' کی حدود و قیود کیا ہوں گی؟ امریکہ سے ہمارا 'تعاون' پاکستانی مفادات پر پیہم ضربیں لگانے لگا۔ ملا محمد عمر کی جگہ حامد کرزئی فرمانروائے افغانستان بنا دیا گیا۔ پاکستانی دوست طالبان کی جگہ پاکستان دشمن شمالی اتحاد نے لے لی۔ پاکستان کا پرچم اور سفارت خانہ، سب سے نامطلوب علامتیں قرار پائیں۔ بھارت کے لئے افغانستان کی سرزمین، دامانِ یار کی طرح پھیلتی چلی گئی۔ کابل کے علاوہ بھارت نے جلال آباد، ہرات اور قندھار میں قونصل خانے قائم کر لئے۔ 'را' نے ایک بار پھر تخریب کاری کیمپ بنا لئے۔ اسرائیل بھی افغانستان آ بیٹھا۔ موساد کی زہریلی جڑیں پھیلنے لگیں۔ خاد کے گُرگے ایک بار پھر شمالی اتحاد کی سرپرستی میں سرگرم ہو گئے۔ امریکی سفیر زلمے خلیل زاد نے ایک کارگاہِ ابلیس قائم کر لی۔ دیکھتے ہی دیکھتے طشتِ گلاب جیسا افغانستان ہمارے لئے دشت بے اماں بن گیا۔ پاکستان ایک پرائی جنگ میں دھنستا چلا گیا۔ فوج ایک کارلا حاصل میں الجھ کر رہ گئی۔ پاکستان، ایسی آفات کا گھر بن گیا جو آج ہماری ملکی و قومی سلامتی کے لئے خطرہ بن گئی ہیں۔ ہماری رگِ جاں تک نیچوڑ لینے کے بعد امریکہ براہِ راست حملے پر تلا بیٹھا ہے اور ہم بے حس و حرکت بیٹھے، انہونی اور ہونی کے آشوب میں گم ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ ''نوائے وقت'')


## اعلان

قارئین نوٹ فرمالیں کہ ندائے خلافت کا خصوصی شمارہ ''استحکام پاکستان نمبر'' جو یوم پاکستان کے موقع پر شائع ہو رہا ہے، کی ترتیب و تیاری میں عملہ شبانہ روز مصروف ہے، بنا بریں ندائے خلافت کا آئندہ معمول کا شمارہ شائع نہیں ہوگا۔

# عوام کیا کریں؟

عرفان صدیقی

چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے مقدمے کا فیصلہ تو آ گیا۔ اب اس کی عملی تفسیر و تعبیر کے مرحلہ ہائے شوق پر نگاہ رکھنا ہوگی۔ وکلاء نے تاریخ کا قرض چکا دیا۔ عوام سرخرو ہو گئے۔ عدلیہ نے عمر بھر کی لغزشوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اب سب کچھ عزت مآب چیف جسٹس جناب افتخار محمد چودھری کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ ع

تو دانی حساب کم و بیش را

اُدھر صدر پرویز مشرف نے دہائی کے انداز میں اپیل کی ہے کہ ''عوام انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے حکومت کا ساتھ دیں کیونکہ عوامی تعاون کے بغیر فوج اور پولیس اس بحران پر قابو نہیں پا سکتیں۔'' بلاشبہ پاکستان جس آشوبِ بلا تک، آن پہنچا ہے، وہ سولہ کروڑ پاکستانیوں کے پُرعزم تعاون کا تقاضا کرتا ہے۔ شاید وہ گھڑی آ گئی ہے کہ تفریق کی ساری لکیریں مٹا کر ہمیں یکجان ہو جانا چاہیے۔ مسئلہ پاکستان کی عزت و آبرو پر ضرب ہائے کاری سے آگے نکل کر پاکستان کی سلامتی و بقا تک آ پہنچا ہے۔ اگر ہم اب بھی گروہوں میں بٹے رہے، قیامت کی اس گھڑی میں بھی زیاں کاری کی راہ پر چلتے رہے اور پاکستان کے وجود کو خطرات میں گھرا دیکھ کر بھی ایک پُرعزم قوم نہ بن پائے تو شاید آنے والے داستان گو کی داستانوں میں ہماری داستان تک باقی نہ رہے۔ لیکن یہ سب کچھ کیسے ہو؟ عوام کس طرح اس مشن میں حکومت کے شانہ بشانہ آ کھڑے ہوں؟ تفریق اور تقسیم کی لکیریں کیسے معدوم ہوں؟ غیر معمولی حالات، غیر معمولی اقدامات کا تقاضا کرتے ہیں اور غیر معمولی اقدامات صرف اسی صورت میں ممکن ہیں جب صدر مشرف معمول کی سوچ کے حصار سے نکلیں، وردی کو طاقت آزمائی یا طوالتِ اقتدار کے لئے استعمال کرنے کے بجائے، پاکستان کی سلامتی و بقا اور قومی اتحاد و یکجہتی کے لئے استعمال کریں اور ایسا کرتے وقت کوئی ایسا بڑا قدم اٹھائیں جو واقعی ان کے اخلاصِ نیت کا پیغام دے۔

پاکستان خطرے میں ہے اور شدید خطرے میں ہے۔ دو دن قبل میں پشاور سے واپس اسلام آباد آ رہا تھا جہاں میجر عامر نے دبئی سے آئے ڈاکٹر شاہد مسعود کے اعزاز میں ایک بڑے استقبالیے کا اہتمام کیا تھا۔ صوبہ سرحد کے وزراء، انتظامیہ کے عہدیداروں اور اہم شخصیات کی گفتگو کے دوران اندازہ ہوا کہ حالات کی سنگینی کس درجہ بڑھ گئی ہے اور ڈیورنڈ لائن کے اُس پار حامد کرزئی کے افغانستان سے آگ اور بارود کی کیسی کیسی سوغاتیں بھیجی جا رہی ہیں۔ ابھی میں اسلام آباد نہیں پہنچا تھا کہ وزیر خارجہ جناب خورشید محمود قصوری کا فون آ گیا۔ وہ دوپہر کے کھانے پر بلا رہے تھے۔ کوئی تین گھنٹے کی اس نشست میں ڈھیروں باتیں ہوئیں لیکن میں

مسئلہ پاکستان کی سلامتی و بقا تک آ پہنچا ہے۔ صدر مشرف معمول کی سوچ کے حصار سے نکلیں، وردی کو طاقت آزمائی یا طوالتِ اقتدار کے لئے استعمال کرنے کے بجائے، پاکستان کی سلامتی و بقا اور قومی اتحاد و یکجہتی کے لئے استعمال کریں اور ایسا کرتے وقت کوئی ایسا بڑا قدم اٹھائیں جو واقعی ان کے اخلاصِ نیت کا پیغام دے

روشنی کی کوئی ایک بھی ایسی کرن نہ سمیٹ پایا جو وسوسوں اور واہموں میں ڈبکیاں کھاتے دل کے لئے تسلی کا سبب بنتی۔ میرے لئے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ کیا امریکہ پاکستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ قصوری صاحب وزیر خارجہ ہیں۔ اُن کی باتیں مصلحت کے دبیز غلافوں میں لپٹی ہوتی ہیں لیکن کوششوں کے باجود مجھے محمود علی قصوری مرحوم کے ہونہار صاحبزادے کے سرخ و سپید چہرے پر آسودگی کی وہ جھلک نہ دکھائی دی جو اعتماد و یقین کے افق سے پھوٹتی ہے۔

پاکستان کے قبائلی علاقوں پر امریکی حملے کی چاپ بڑھتی جا رہی ہے۔ انتظامیہ سے قربت رکھنے اور اس کی پالیسیوں یا اقدامات کے لئے راستہ ہموار کرنے والے بڑے مریکی اخبارات، نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ اور وال سٹریٹ جرنل کورس کے انداز میں ایک ہی بات کہہ رہے ہیں کہ پاکستان پر حملہ ناگزیر ہو چکا ہے۔ تازہ ترین بیان وائٹ ہاؤس کے ترجمان ٹونی سنو کی طرف سے آیا ہے کہ ''پاکستان میں دہشت گردوں کے ٹھکانوں پر حملوں سمیت کسی امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا''۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ ''کیا پاکستان پر حملوں کے لئے صدر بُش پاکستانی صدر مشرف سے اجازت لیں گے؟'' تو ٹونی سنو نے جواب دیا ''ایسے معاملات پر کھلے عام گفتگو نہیں کی جا سکتی۔''

اسی متوقع امریکی حملے کے خوف سے صدر مشرف نے فاٹا اور سوات میں تازہ دم فوج بھیج دی ہے۔ وزیرستان کا امن معاہدہ دھجیاں ہو چکا ہے اور فوجی دستوں پر حملے تیز ہو گئے ہیں اور جنگ کی سی صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے۔ اگر یہ جنگ امریکی خواہشات کے عین مطابق پوری شدت سے بھڑک اٹھتی ہے اور نام نہاد مطلوبہ اہداف کسی حد تک حاصل کر لئے جاتے ہیں تو امریکی حملہ وقتی طور پر ٹل سکتا ہے لیکن تلوار بدستور لٹکتی رہے گی اور ''مزید کرو'' کی تکرار جاری رہے گی۔ عوام سے کمک کی اپیل کرتے وقت صدر پرویز مشرف اس نہایت ہی اہم اور بنیادی نکتے پر بھی غور فرمائیں کہ کیا اب بھی وہ لمحہ نہیں آیا کہ امریکہ کی جنگ سے گلوخلاصی حاصل کر لی جائے؟ فوج میں ''with drawl with design'' یعنی ''سوچی سمجھی پسپائی'' اور ''Review of Situtaion'' یعنی ''صورتحال کا جائزہ اور نظرثانی'' کی اصطلاحات بہت عام ہیں۔ ان دو فوجی اصولوں کی روشنی میں ہمارے صدر اور چیف آف آرمی سٹاف کو سوچنا ہوگا کہ کیا طالبان کے خلاف امریکہ سے لامحدود تعاون کا فیصلہ پاکستان کے لئے مفید ثابت ہوا ہے؟ کیا اس جنگ میں شرکت سے پاکستان کے قومی مفادات کو تقویت ملی ہے؟ کیا اس جنگ میں شرکت کے بعد والا پاکستان، پہلے والے پاکستان سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو گیا ہے؟ کیا اس جنگ کے باعث پاک فوج اور عوام کے درمیان ہم آہنگی میں اضافہ ہوا ہے؟ اگر کوئی دہشت گردی تھی بھی تو کیا وہ کم ہوئی ہے یا بڑھی ہے؟ پاکستان کی سلامتی کو درپیش خطرات میں اضافہ ہوا ہے یا کمی؟

صدر مشرف کو ایک سچے اور مخلص پاکستانی کی حیثیت سے ان سوالوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اپنے آپ یا کسی دوسرے کو فریب دینے کی بات دوسری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ نے پاکستان کے وجود ہی کو نہیں، روح کو بھی زخم زخم کر دیا ہے۔ ستمبر 2001ء سے پہلے کا تصور کیجئے۔ افغانستان پر ملا محمد عمر کی حکمرانی تھی۔ 1995ء سے 2001ء تک چھ برس کے دوران پاکستان میں نہ خودکش حملے ہوئے، (باقی صفحہ 16 پر)

## بنگلہ دیش میں نئی پارٹی کا قیام

بنگلہ دیش میں پچھلے دنوں جن سیاسی رہنماؤں نے دو مرکزی پارٹیاں عوامی لیگ اور بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی چھوڑی تھیں، انہوں نے ایک نئی سیاسی جماعت قائم کر لی ہے۔ اس کا نام دی پروگریسیو ڈیموکریٹک پارٹی رکھا گیا ہے۔ ان رہنماؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ بے ایمانی اور رشوت سے پاک سیاست کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ پارٹی دسمبر 2008ء میں ہونے والے عام انتخابات میں حصہ لے گی۔

دوسری طرف رشوت لینے کے الزام میں ڈھاکہ کی ایک عدالت نے عوامی لیگ کی سربراہ بیگم حسینہ واجد کو جیل بھجوا دیا ہے۔ ان پر الزام ہے کہ انہوں نے ''کام کروانے'' کے لیے زبردستی دو تاجروں سے 80 لاکھ ٹکے وصول کیے تھے۔ جب بیگم صاحبہ کے شوہر کو گرفتاری کی خبر ملی تو وہ جیل پہنچ گئے۔ اسی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے بنگلہ دیش کے صدر فخر الدین احمد نے کہا: ''بے ایمانی اور رشوت میں جو بھی ملوث ہوا، اُسے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔ اب کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں۔''

## عربوں سے بش کی اپیل

امریکی صدر جارج بش نے عرب ممالک کے سربراہان سے اپیل کی ہے کہ وہ اسرائیل سے بات چیت کریں اور اس ''طلسم'' سے نکل آئیں کہ اسرائیل کوئی حقیقی وجود نہیں رکھتا۔ صدر بش دراصل چاہتے ہیں کہ عرب اسرائیل سے امن مذاکرات کریں۔ اس میں کوئی ہرج نہیں، مگر جب اسرائیلی ہی امن نہیں چاہتے، تو ان مذاکرات کا فائدہ کیا؟

## طالبان طاقتور ہو رہے ہیں

برطانوی محکمہ دفاع کی ایک رپورٹ کے مطابق گو طالبان افغان حکومت کے خلاف خطرے کی حیثیت نہیں رکھتے، تاہم وہ آہستہ آہستہ طاقتور ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف افغانستان بلکہ پاکستان میں بھی فسادات بڑھ رہے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ عراقیوں کی طرح طالبان بھی خودکش حملوں کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور اسی سلسلے میں خودکش حملوں کے لئے کاریں بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔

یاد رہے کہ فی الوقت افغانستان میں نیٹو کے 36 ہزار فوجی ہیں۔ ان میں سے 7100 فوجی برطانیہ کے ہیں۔ رپورٹ میں یہ حقیقت بھی واضح کی گئی ہے کہ کچھ عرصے سے افغانستان میں افیون کی کاشت بہت بڑھ گئی ہے۔ اب 30 فیصد افغانیوں کا روزگار اسی سے وابستہ ہے۔

## جنوبی کوریا کا افغانستان سے فوج نکالنے کا اعلان

جنوبی کوریا نے طالبان کی دھمکی کے بعد افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانے کا اعلان کیا ہے۔ طالبان نے جنوبی کوریا کے 23 باشندوں کے اغواء کے بعد مطالبہ کیا تھا کہ جنوبی کوریا افغانستان سے اپنی افواج واپس بلا لے، تاہم بعد میں طالبان نے مطالبہ کیا کہ افغانستان اور جنوبی کوریا کی حکومت طالبان قیدیوں کو رہا کر دے تو اس کے بدلے جنوبی کوریا کے باشندوں کو رہا کر دیں گے۔

## ایرانی پرچم سرنگوں کرنے پر پابندی

ایران نے قومی پرچم پر لکھے ''اللہ'' کے نام کے احترام میں سوگ کے دوران قومی پرچم کو سرنگوں کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ ایران کے قومی پرچم پر ''لا الہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' کے الفاظ تحریر ہیں۔ واضح رہے کہ سعودی عرب کا پرچم بھی جس پر کلمہ طیبہ تحریر ہے، کبھی سرنگوں نہیں کیا جاتا۔

## ایمنسٹی کی بھارت پر تنقید

مائیمار (برما) میں کئی برس سے فوجی جنتا کی حکومت ہے۔ اس حکومت نے برمی مسلمانوں پر سخت ظلم ڈھائے ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ فوجی جنتا کے مظالم دیکھتے ہوئے یورپی یونین اور امریکا نے اُسے اسلحہ فروخت کرنے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ تاہم اب بھارتی حکومت یہ بین الاقوامی پابندی توڑنا چاہتی ہے۔

اطلاعات کے مطابق بھارت نے برمی فوج کو ہملہ آور ہیلی کاپٹر فروخت کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ اس پر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھارتی حکومت کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بھارت کا یہ اقدام ظلم کا ساتھ دینے کے مترادف ہے۔ اور یہ بات بھی صحیح۔ ایمنسٹی نے یورپی یونین پر زور دیا ہے کہ وہ بھارت سے مذاکرات کر کے اس پر دباؤ ڈالے کہ وہ برمی حکومت کو ہیلی کاپٹر اور دوسرا اسلحہ ہرگز فروخت نہ کرے۔

## سعودی عرب میں خواتین ترقی کی راہ پر

سعودی عرب میں روز بروز نجی اور سرکاری ملازمتوں میں خواتین کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اسی لیے سعودی حکومت کام کے ایسے مراکز قائم کر رہی ہے جہاں صرف خواتین ملازم ہوں گی۔ یوں انہیں مردوں سے زیادہ گھلنا ملنا نہیں پڑے گا۔

فی الوقت سعودی سرکاری محکموں میں ڈھائی لاکھ خواتین کام کر رہی ہیں جبکہ 45 ہزار نجی کمپنیوں میں کام کرتی ہیں۔ ریاض چیمبر آف کامرس کی ایک رپورٹ کے مطابق 2010ء تک سعودی عرب میں خواتین کی تعداد مردوں سے بڑھ جائے گی۔ تب سعودیہ کی آبادی دو کروڑ ساٹھ لاکھ ہو گی۔ آکسفورڈ بزنس گروپ کی تازہ رپورٹ کی رو سے سعودی عرب میں افرادی قوت اسی لاکھ ہے بشمول غیر ملکی افراد کے۔ ان میں سے صرف 670,388 خواتین ہیں۔

## عراق سے نکل آؤ

جب امریکی فوجی ویت نام میں لڑ رہے تھے، تو جنگ کے آخری دنوں میں امریکیوں کی اکثریت یہ چاہتی تھی کہ امریکا لڑائی جیت لے یا پھر وہاں سے نکل آئے۔ اب عراق میں بھی اسی قسم کی صورت حال جنم لے چکی ہے۔ تازہ ترین جائزوں کے مطابق 70 سے 75 فیصد امریکی یہ چاہتے ہیں کہ اگلے سال اپریل تک امریکی فوج واپس آ جائے۔

اب امریکا میں یہ نظریہ جڑ پکڑ چکا ہے کہ عراق میں امریکی فوج فتح حاصل نہیں کر سکتی لہٰذا اُسے واپس آ جانا چاہیے۔ تاہم صدر بش اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ لگتا ہے کہ کوئی بڑا سانحہ ہی انہیں مرغ کی ایک ٹانگ چھوڑ کر دو ٹانگوں پر کھڑا کرے گا۔

## ترکی کے الیکشن میں اسلام پسند کامیاب

ترکی میں پارلیمانی انتخابات مکمل ہو گئے ہیں۔ حکمران جماعت جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی (AKP) نے 550 کے ایوان میں 344 سیٹیں جیت لیں۔ اپوزیشن کی جماعتوں ریپبلیکن پیپلز پارٹی اور نیشنلسٹ ایکشن پارٹی نے بالترتیب 110 اور 76 سیٹیں جبکہ آزاد امیدواروں نے 19 سیٹیں حاصل کیں۔ ترکی میں حزب اقتدار کی اے کے پارٹی اور حزب اختلاف کی سیکولر جماعتوں کے درمیان صدارتی امیدوار پر اتفاق رائے نہ ہونے کی وجہ سے قبل از وقت انتخابات کرائے گئے ہیں۔

ترکی کے ان انتخابات میں اصل مقابلہ اسلامی نظریات کی حامل موجودہ حکومت اور فوجی اسٹیبلشمنٹ سے متاثر سیکولر قوتوں کے درمیان ہے جس میں اسلام پسند حکمران بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے ہیں۔

to other parts of Europe.

Until such time that the root cause is addressed in Pakistan, it would be very difficult to reform the rest of society. Rather, it is impossible to reform if the major sector of agriculture or big agriculturists continue to occupy the privileged status that they do. They continue to wield the same amount of power as they did when their sector contributed over 40 percent to the GDP in the 1950s and 1960s. They might well know that their sector's contribution to the GDP stands declined to about 25 per cent in the decade of the 1990s. It is therefore, not a "predominant factor" as still imagined by some of them. They should not be allowed to continue to dominate the value system, which some of them think is their birthright by virtue of the sector's significance in the economy.

Nonetheless, the rural economy remains significant as it is still home to 67 percent of the country's population. With a declining GDP share, the misery of the multitude can only be expected to increase unless drastic land and agrarian reforms are undertaken. It is common knowledge that even though begaar is abolished, the tiller barely subsists. The condition of socio-economic or human rights remains pathetic, on which enough data has been collected by many development centres, at least one of which works under the auspices of the UN. There is enough empirical evidence already in support of the fact that the number of displaced and landless peasants is rising. This is creating pressure on urban areas due to the influx of rural migrants. To argue the above facts, data, and actual trends is to be unreasonable and irrational.

The matter, however, needs to be addressed whenever the status quo is supported. Otherwise, it would only reinforce the already existing barriers to reform. As soon as the sentiment for meaningful land reforms caught on in the country, big landlords tried to project "feudalism" as a myth. It would be a fantasy to assume that the country is not plagued with a feudal mindset. Some of the ills found in other sectors of the economy are actually a manifestation of this same mindset exported from the countryside to the rest of the economy. Absentee landlords, living off the wealth generated on the soil tilled by subsisting tenants, served as "role models". The societal goals got transformed to maximising personal material gain and personal power only. These goals were sought increasingly in other sectors, be it industry or bureaucracy. These undesirable norms and attitudes caught on. These trends are now being used to justify oppression in that same agricultural sector from which they were exported in the first place. The vicious circle ought to be broken rather than justified. The importance of parallel attempts notwithstanding, first attempts should then be made in the sector from which these anti-developmental attitudes originated.

These attitudes have also been the biggest roadblock to the development of institutions in the country. As this sector remains virtually exempt from fiscal and other socio-economic obligations, other sectors find their legal fiscal and administrative requirements discriminatory. Consequently, they are fulfilled only partially, if at all. Profitability in the agricultural sector remains a question mark as the sector has made itself impervious. The luxurious lifestyles of big agriculturists belie their claims about economic hardships. Other sectors then consider it not-so-illegitimate to under-report incomes. The taxation structure remains horizontally iniquitous. Agriculturists complain of multiplicity of taxes and try to remain exempt from income taxation. Other sectors and salaried individuals too have to pay a number of taxes but their incomes remain heavily taxed. Despite heavy taxation, fiscal and economic problems have compounded because, inter alia, the economic managers can no longer justify the privileged status of agriculture. It is now even allowed market prices for output. The issue of implicit taxation exists no longer but the privileges do.

Can a modern economy be constructed with attitudes and norms that discourage enterprise, seek rents rather than healthy normal profits and which encourage distribution in favor of a few powerful rather than all the input providers? Economic history answers in the negative. (Courtesy: The Post)


# اہم اطلاع

ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' لاہور کا

## ''استحکام پاکستان نمبر''

جو ترتیب وتدوین کے آخری مراحل میں ہے' یوم پاکستان کے موقع پر شائع ہو رہا ہے (ان شاءاللہ)

زیر ادارت: **سید قاسم محمود**

اس خصوصی اشاعت میں

حصول آزادی سے لے کر 2005ء تک آئین سازی' سیاسی حکومتیں' پے در پے مارشل لاء کا نفاذ' اقتصادیات' خارجہ پالیسی' غرض زندگی کے ہر شعبے میں پاکستان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی تاریخ.....اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ۔

ہفت روزہ ندائے خلافت 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

E.mail publications@tanzeem.org

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 29

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Amna Malik

# History of feudalism in Pakistan

It should be commonly understood that feudalism as a mode of production does not exist. However, it is the feudal ways and norms that remain the bane of underdeveloped societies. Consequently, the term "feudalism" is used to describe pejoratively "anything reactionary, old-fashioned, or resonant of aristocratic values" (Oxford Dictionary).

Under the original feudal system, a vassal or a feudal tenant would hold land and would in return perform military duties for an overlord. The overlord would, in turn, provide protection and land tenure to the tenant. The overlord would pledge allegiance to a king. Land tenures of the lesser lords were thus guaranteed. The communities remained subservient to the vassals and the overlords. If some communities still have no better option other than servile existence under big landlords, it can be safely concluded that the world has yet to get rid of "feudalism" or feudal ways and practices. Surely, in Pakistan, it remains a daunting challenge.

The feudal system existed in Europe as much as it did in Japan. In England, it met with stiff resistance from its institutions as they developed. Industry rose on the ashes of feudalism. France is known for entrenched feudalism until their revolution. Modernisation in France could not be conceived to coexist with feudalism. The French Revolution commenced by putting an end to feudalism by decree. It changed the structure of society so as to make it growth and development oriented. As the Philadelphia Convention met to draw up the American Constitution in 1787, France was ripe for a revolution. King Louis XVI of France had financed the American War of Independence against the British. France almost reached the verge of bankruptcy as "those with the capacity to pay taxes failed to bear their share of the burden." The French King summoned the Assembly of Notables (aristocrats) requesting them to abandon some of their fiscal privileges. The Notables resisted and called for summoning of the Estates General (assembly) to deal with the fiscal crisis. The Estates General comprised of three estates namely, the clergy, the aristocracy, and the rest. When the Estates General met, the third estate, comprising the rest, withdrew and declared itself the national assembly competent to give a new constitution to France. The fiscal crisis was thus viewed against the larger backdrop of the structure of French society wherein the privileged few enjoyed tax privileges as the country was driven to bankruptcy. The fiscal crisis could not be addressed in 18th century France unless the structure of society was changed. For, if the privileged were not willing to part with their privileges, then the privileged had to go. So it was ruled in 18th century France.

In 21st century Pakistan, the privileged argue that their privilege and the socio-economic hardships of the underprivileged are both a myth. The people of this country are neither dense nor dumb. Many similarities emerge as we look back at the economic development path of the developed West. All those aware of Pakistan's fiscal crisis and its distorted structures of political-economic power would further know where the similarities end. The similarity ends when we display a lack of courage and will-power to effect change for the better.

The Bastille was demolished on July 14, 1789 and feudalism was abolished on August 4, 1789 through a series of "Decrees Abolishing the Feudal System". The opening words were, "The National Assembly abolishes the feudal regime entirely." The decrees did away with many kinds of manorial obligations to begin with. They also abolished special tax privileges and opened all offices to all its citizens "without distinction of birth". The cornerstone to build a modern France had been laid.

The second important decree was the 'Declaration of the Rights of Man and the Citizen' passed late August 1789. The second decree came on the heels of the first decree about abolishing feudalism and privileges. The decrees were thus logically sequenced. Without the first one, the second would have been meaningless.

The French Revolution did not end in the year it started. Rather, the revolution kept consolidating itself even in the 19th century until the Napoleonic era. Even though Napoleon turned despotic, the ideals of the revolution were pushed forward forcefully on nearly every front. These ideas were also exported to Italy, Spain, and Prussia. Germany would then provide further intellectual thrust to the ideals of the Enlightenment. Unfortunately, these ideas have yet to be assimilated and internalised by us.

We remain backward as we try to build a modern society on the traditional repugnant value system most prevalent in the countryside from where it also gets exported to the urban so-called modern sector. Thanks to this age of rapid and effective communication, one is saved the agony of personally witnessing oppression in the villages. There is enough evidence available about life in the rural areas that could help serious students of economics draw sad conclusions from which the big farm lords wish to look the other way. It is true that behaviour and attitudes in other sectors of the economy are also repugnant in many ways. However, one needs to determine not just the sources of ills in society but rather the causes of them. If a cause-effect tree is constructed, it will converge on the major problem identified way back in 1789 by none other than the French, which is "feudalism". Later in the 20th century, it was identified by the Japanese, the Koreans, the Taiwanese, and the Chinese as soon as they embarked on development and modernisation. However, China is ignored by many in this country due to its totalitarian political disposition. We may then travel westward and find a case in point in liberated France, which exported the idea